Title - SUDHAAR

Creator - Thakur Ram Singh.

Publisher - Shanti Press (Badaun).

Date - 1932

Pages - 79

Subjects - Samaji Falah-o-Sudhaar ; Falah-o-Behbood; Samaji Masail.

سدھار

مصنّفہ
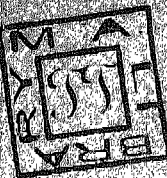
ٹھاکر رام سنگھ ۔ بی ، اے

تحصیلدار (یو پی)

بہ اہتمام

رام سرن لال رستوگی مینجر

شانتی پریس بدایوں میں چھپا

تہدیہ

مصنف اس ناچیز رسالہ "سداچار" کو اپنے افسر معظم عالی جناب مسٹر پنّالال، آئی، سی، ایس کمشنر الہ آباد ڈویزن کے نام نامی واسم گرامی کے ساتھ معنون کرتا ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خاکسار

ٹھاکر رام سنگھ۔ بی، اے
تحصیلدار داتاگنج ضلع بدایون

۲۹ر اگست ۱۹۳۲ء

باب اوّل

جدید طریقہ کاشت

کیمیا خواہی زراعت کن کہ خوش گفت آنکہ گفت
زرع ثلثان ست زرست ثلث باقی ہم زرست

اپنا سونے کا ہندوستان نہ تجارتی ہے اور نہ حرفتی۔ یہاں کی پرانی کہاوت ہے
اوتم کھیتی مدھم بنج کھٹن چاکری بھیک ندان

نوے فی صدی باشندگان ہمارے ملک کے یا تو کاشتکاری پیشہ ہیں، یا کاشتکاری پر انحصار کرتے ہیں باوجود کاشتکاری اور زراعت کی اہمیت کے زمانہ قدیم سے اب تک کوئی نمایاں ترقی پیشہ زراعت میں نئے نمونہ کی نہیں ہوئی اور نہ کاشتکاران خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے آبائی و اجدادی پیشہ میں کیونکر ترقی کریں۔ ان کے سامنے اقتصادی مشکلات بھی ہیں۔ لاعلمی اور ناواقفیت حالا

دیگر ممالک کے آپس کے جھگڑے۔ باطل پرستی سد راہ ہیں۔ یہ ایسی رکاوٹیں نہیں ہیں جو ہمیں ہمیشہ کے لیئے مایوس کر سکیں۔ گورنمنٹ نے کافی تعلیم ترقی کرنے کے لیئے دی ہے۔ اصول بھی موجود ہیں اور مثالیں بھی ہیں کھیتی کرنے کے لیئے پانچ (پ) کی ضرورت ہے۔

(۱) پیسہ (۲) پانی (۳) پانس (کھاد) (۴) پردھن (مویشی) (۵) پہنی (نگرانی)

پیسہ ہر شخص کے پاس کفایت کرنے سے اور فضول خرچی سے باز رہنے سے بچ سکتا ہے اور خاص خاص صورتوں میں کوآپریٹو بنک اس مشکل کو حل کر رہے ہیں

پانی کا انتظام بذریعہ چاہات و تالاب بہت جگھوں پر ہے اور سرکاری نہریں اس کے ماسوا ہیں۔

کھاد کے متعلق آئندہ تذکرہ بالتفصیل کیا جائے گا۔

پردھن یعنی مویشیوں اور آلات کشاورزی کے متعلق بھی کھاد کے ضمن میں بحث کی جائے گی۔

نگرانی اور واقف کار مزدور یہ دو باتیں زیادہ غور طلب ہیں۔

جہاں تک ہمارا خیال ہے کھیتی کی نگرانی صحیح نہیں ہوتی ہے۔ اور ہنرمند مزدور بھی میسر نہیں آتے ہیں۔ اس کے سلسلہ میں دو باتیں غور کرنا نہایت ضروری ہیں۔ اوّلاً کھیتوں کی تقسیم دوسرے خیال ہمدردی مزدوران۔

جب تک یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہونگی کھیتی میں کوئی نمایاں ترقی عام طور پر

نہیں ہو سکتی۔ ہر بیسویں یا پچیسویں سال کھیتوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بذریعہ تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی صحیح جوتائی کمائی نگرانی کاشتکاران کے امکان سے باہر ہوتی جاتی ہے۔ محض طریقہ چک بندی ہی ایک ایسا طریقہ ہے جو اس خطرہ سے کاشتکاران کو بچا سکتا ہے۔ اگر کاشتکاران بہ امداد زمینداران اپنے اپنے کھیتوں کو یکجائی کر کے ایک چک بنا لیں اور ان کے بدلے میں اپنے کھیت دوسروں کو چک بنانے کے لیے دیدیں تو ان کے حقوق پر قانوناً کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

برضامندی زمیندار باہمی چک بندی تحصیل میں بہ آسانی تصدیق ہو سکتی ہے۔ اس میں صرف ان مواضعات میں دقت محسوس ہوگی جن میں آراضیات دھنکر، بنجر، دومٹ الگ الگ واقع ہیں۔ ایسی آراضیات کی چک بندی بلحاظ قسم زمین ہونا چاہیئے۔ چک بندی ہو جانے پر ہر کاشتکار کا یہ بھی فرض ہوگا کہ وہ اپنے اپنے مربعوں کو بذریعہ اونچی مینڈ یا باڑھ ایسا رکھیں کہ برساتی پانی کھیتوں سے باہر نہ جانے پائے جب کھیتوں سے برساتی پانی باہر نکل جاتا ہے تو ان میں قوت فصل پیدا کرنے کی نسبتاً کم ہو جاتی ہے۔ تیسرے جنس کے لحاظ سے کھیت کی داشت دیکھنے میں آرہی ہے۔ یعنی اچھی جنس کے لیے کھیت کی عمدہ طور سے تیاری کی جاتی ہے اور معمولی جنس کے لیے کھیتوں کی داشت اور کمائی بہت کم ہوتی ہے۔ یہ طریقہ غلط ہے اگر ہر جنس کے لیے کھیتوں کی عمدہ طور پر تیاری کی جائے

تو ہر جنس اعلیٰ پیمانہ کی ہوگی۔ دوسرا خیال کاشتکاروں کے لیئے کچھ عرصہ کے بعد ضروری
ہوگا چک بندی کے ساتھ ساتھ اس سکیم پر بھی اگر کاشتکاران توجہ کریں
اور زمینداران ان کی امداد کریں تو مسئلہ نگرانی کاشت خود بخود حل ہو جاتا ہے
یعنی ہر کاشتکار اگر اپنے اپنے چک میں سکونت اختیار کرے تو اس کے لیئے اور اس
کے بچوں کے لیئے۔ جانوروں کے لیئے جو سہولت اور آسایش ہوگی وہ محتاج بیان
نہ ہوگی۔

چک بندی کے بعد جدید طریقہ کاشت ہر کاشتکار کے امکان میں ہوگا اور
ایک کھیت سے دو دو تین تین فصلیں ہر سال حاصل ہوسکینگی بشرطیکہ چار چار یا تین
تین چک کے کاشتکاران باہمی اتحاد سے چاہ پختہ آبپاشی کے لیئے بنوالیں زرعی
فارموں سے ہر جنس کا بیج حاصل کرکے کاشت کریں۔ گھوڑے یا اونٹ ہمارے
یہاں ہل میں کام نہیں دے سکتے۔ اچھے بیل ہی ہل کے کام میں آسکتے ہیں مشین
کے ہل یا بڑے بڑے ٹریکٹر صرف بڑے بڑے تعلقہ داران اور زمینداران بڑے
پیمانے کی کاشت میں چلا سکتے ہیں اوسط درجہ کے کاشتکاران جدید ترقی دادہ
ہل استعمال کریں۔ بغیر اچھی جوتائی کے اچھی پیداوار نہیں ہوسکتی ہے جب تک کھیت
میں ایک فٹ مٹی یعنی کم از کم ایک بالشت اور چار انگل مٹی آڑی اور کھڑی
جوتائی کے بعد بھربھری ہوکر مثل آٹے کے نہ ہوگی۔ گیہوں اور ایکھ وغیرہ ایسے
کھیتوں میں زوردار نہیں ہوسکتے۔ بھربھری مٹی سطح کھیت پر اس لیئے ہونا چاہیے

کہ کھیت کے اندر کی گرمی اور کھاد کی طاقت سورج کی کرنیں اسے باہر نہ کھینچ سکیں
برخلاف اس کے برساتی پانی کی رطوبت اصلی سطح کھیت یعنی (آدہ) پر
ایک دم پہنچ جائے۔ اگر ایسی تیاری کھیت کی ہوگی تو پودوں کو اُگنے میں تنگی
نہ ہوگی۔ اور زمین کے اندر کے کیڑے اُگتے ہوئے پودوں کو ضایع نہ کر سکیں گے۔
تندرست مٹی میں جو پودے اُگتے ہیں اُن میں کھوکھی، گیروا، رتنا، بندیا کسی قسم
کی بیماری کا اندیشہ نہیں ہوتا اور لہلہاتے ہوئے پودے حسب دلخواہ ہری بھری
فصل ہوتے ہیں پودوں کی زندگی کے لئے اچھی زمین ہوا۔ روشنی، پانی۔ اور کھاد ایسے
ہی ضروری ہیں جیسے انسانی زندگی کے لئے صاف مکان۔ روشنی۔ اچھا پانی اور
عمدہ غذا۔

یہ خیال غلط ہے کہ گھنے گھنے پودوں سے گھنی پیداوار ہوگی۔ پودوں کی
نرائی اسی لئے ضروری ہے تاکہ ہر پودے کو کافی روشنی۔ ہوا وغیرہ بقدر ضرورت
مل سکے لہٰذا بیج ڈالتے وقت بونے کا طریقہ ایسا اختیار کیا جائے کہ جس سے
بیج چھدرا رہے یعنی گھنا نہ ہونے پائے۔ اکثر یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ علاوہ ایکھ
کے اور فصلوں کو جن کو پانی کی ضرورت استادگی میں ہوتی ہے بالیدگی کے وقت
نہیں دیا جاتا۔ مثلاً گیہوں کو کاتک یا اگھن کے مہینے میں پانی دیکر چھوڑ دیا جاتا ہے
اور جب فصل جوان ہوتی ہے اور بالیدگی کا زمانہ ہوتا ہے تو پودوں کو پیاسا چھوڑ دیا
جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دانہ بوجہ حدت پچک جاتا ہے۔ جڑ کمزور ہو جاتی ہے

ہوا کے جھونکوں کو برداشت نہیں کر سکتے قبل از وقت خشک ہو کر درودگی کے قابل ہو جاتے ہیں اگر پھاگن کے مہینے میں فصل گیہوں کی آبپاشی ایک مرتبہ کر دی جائے تو سوائی پیداوار ہر کھیت میں ضرور ہو گی۔

پرانے زمانہ میں کٹائی اور گہائی کے وقت کاشتکاران ایک دوسرے سے جیتا کیا کرتے تھے باری باری سے بہ امداد باہمی یہ کام کیا کرتے تھے۔ اب بھائی بھائی کی بھی مدد نہیں کرتا ہے۔ مالدار کاشتکاران بغیر مزدوروں کے کھیتی کا روزگار نہیں کر سکتے۔ مزدور پیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان کو مزدوری زیادہ ملے اور کام کم کرنا پڑے اور جو کام کرنا بھی پڑے وہ عادتاً کرتے ہیں۔ تمیز سے کام نہیں کرتے ہیں۔ تجارتی مقامات پر سکھے پڑھے مزدور کارخانوں میں کثرت سے ہو گئے ہیں مگر ان کے جھگڑے بھی نرالے ہیں۔ مزدوروں کی سبھائیں اُن کا سنگھٹن یا انجمن ہائے اصلاحیہ اُن کا سدھار نہیں کر سکتیں بڑے بڑے کاشتکاران و زمینداران کی ہمدردی۔ انسانی خیال۔ سلوک برادرانہ اور مزدوران کی وفاداری دونوں کو اپنے اپنے درجہ میں صحیح خوش رکھ سکتی ہے اقتصادی نقطۂ خیال سے لینڈ لیبر کیپٹل تینوں کی ایک ہی اہمیت ہے۔ یعنی ہمارے پاس زمین اور سرمایہ ہوتے ہوئے بھی بغیر لیبر (یعنی محنت مزدوری) ہم کچھ پیدا نہیں کر سکتے اس لیے کاشتکاری دنیا میں جس قدر روپیہ۔ جانور۔ بیج۔ کھاد کی ضرورت ہے اس سے زیادہ لیبر کی ضرورت ہے۔

اس لیئے اس ضروری جزو کو باعلم تندرست اور کارآمد اور اچھا رکھنے کے لیئے
ان کی کافی پرورش اور داشت کی ضرورت ہی۔ جب ایک مرتبہ یہ خیال پیدا
ہوگیا تو پھر غیر اعتمادی سے غیر اعتمادی پیدا نہ ہوگی۔ چاپ بندی میں مزدور پیشہ
غیر جانبدار ضرور رہیں گے مگر ہاؤس اسکیم میں ان کا خیال کرنا ضروری ہوگا۔

نسل کشی مویشیاں

غیر ضروری مویشیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جاتی
ہی ہر کاشتکار کو ایسی ہی کارآمد مویشی رکھنا چاہیئیں
جن سے وہ فائدہ اُٹھا سکتا ہی۔ یعنی باربرداری کے جانوروں سے باربرداری
کا کام ہوتا ہو اور دودھ والے مویشی دودھ کے کام کے لیئے ہوں۔ جب سے
جنگلات زیادہ مزروعہ ہوگئے ہیں تب سے یہ دقت دن بدن بڑھتی جاتی
ہی۔ اچھے سانڈ، بیل، بھینسے محکمہ زراعت سے گورنمنٹ نے جگہ بہ جگہ بھجوا دیئے
ہیں مگر لوگوں کو ان جانوروں کی صحیح عزت کا خیال ابھی تک نہیں ہی۔ طریقہ
نسل کشی کا خیال کرتے ہوئے مہاراج منو نے ہر مالدار گرہست کے لیئے ہندو عقائد
میں پابند کیا ہی کہ وہ اپنے عزیز کے مرنے کے گیارھویں روز سانڈ یا سانڈنی
نمبر ڈال کر چھوڑ دے۔ باشندگان اپنے رقبہ کے سانڈ اور سانڈنی کی عزت
اور پوجا کیا کرتے تھے۔ یہ کوئی حقیقت کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ جہلا کو نسل کشی کا سبق
اس پردہ میں دیا گیا تھا۔ جو اب تک کسی حد تک کامیاب رہا ہی۔ تندرست
ماں باپ کے تندرست بچے ہوتے ہیں اگر مادہ بھینسیں اور گائے تندرست

رکھی جائیں اچھا پانی اور اچھا چارہ ان کو دیا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمارے یہاں بھی حصار کی سی گائیں اور بھینسیں کیوں نہ پیدا ہوں۔

کاشتکاران کا عام خیال ہے کہ کیچڑ اور بارش کا پانی بھینسوں کی تندرستی کے لیے مفید ہے بارش کا پانی جیسا اور جانداروں کے لیے مفید ہے اتنا ہی بھینسوں کے لیے فائدہ مند ہے علاوہ اسکے دیکھنے میں آیا ہے کہ بھینسیں چار مہینہ چوماس میں کیچڑ میں پڑی آلودہ رہتی ہیں دوایک جگہ تو یہاں تک ہم نے خود دیکھا ہے کہ غریب بھینس دو فٹ کی دلدل میں باندھ دی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے ہاضمے خراب ہو جاتے ہیں۔ رنڈر پسٹ یعنی جانوروں کا ہیضہ کثرت سے پھیلتا ہے۔ ہزاروں جانیں ضایع جاتی ہیں جو دودھ والے جانور صاف رکھے جاتے ہیں اُن کا دودھ صاف ہوتا ہے غلیظ جانوروں کے دودھ میں غلاظت سرایت کر جاتی ہے جو باعث متعدی امراض کا ہوتا ہے حتی الامکان جانوروں کو غلیظ تالابوں کا پانی نہ پلایا جائے۔ مویشی خانے خس پوش ہی ہے کیوں نہ ہوں مگر ایسے بنائے جائیں کہ ایک جانور سے دوسرے جانور میں ڈھائی تین گز کا فاصلہ رہے۔ ان کے تھان ایسے چورس ڈھالو بنائے جائیں جس سے گوبر اور پیشاب ان کے بیٹھنے اور سونے کی جگہ پڑا نہ رہے۔ چرنی یا ناند روزانہ مثل اپنے برتنوں کے صاف کی جائیں۔ ہر مہینے میں جانوروں کو چورن یا فنا ئیلہ دیا جائے۔ چوماس اور جاڑوں کے موسم میں ان کے جسم پر تیل کی مالش بھی ضروری ہے۔ جانوروں کی اصل غذا چارہ ہے وہ بہت صاف ہونا چاہیئے۔ جب سے ہندوستان میں آبادی

بڑھ گئی ہے چراگاہیں قریب قریب معدوم ہوتی جا رہی ہیں چراگاہیں جانوروں کے لیئے ازبس ضروری تھیں اور اب بھی ہیں اگر کاشتکاران بہ امداد زمینداران ہر موضع میں چراگاہ ۱/۵ یا ۱/۱۰ مزروعہ رقبہ و بنجر کا کرلیں اور ان میں درختان لکڑی سوختہ نصب کرادیں تو یہ مشترکہ کارروائی ان کے لیئے اور ان کے جانوروں کے لیئے ان کے شغل کے لیئے ایک چھوٹی سی فارسٹیری (جنگلات) کا لطف دینے لگے اور ان کی زرعی کوششوں میں بھی سہولت پیدا کرکے کامیابی کا راستہ پیدا کرے گی۔

ایسی اراضی کی لگانی قیمت آراضی مزروعہ کے برابر ہونے میں کاشتکاران کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

کھاد جمع کرنے اور اس کے ڈالنے کا طریقہ جو اب دیہات میں جاری ہے وہ بالکل غلط اور مضر ہے کہا یہ جاتا ہے کہ یہ طریقہ قدیم ہے اس لیئے اس کو اتنا برا نہیں سمجھنا چاہیئے۔ ایک طریقہ رہائش جو صرف دو آدمیوں کے لیئے یا دس ڈھیر گھوڑے کے لیئے ہو وہ ایک بڑی آبادی اور زیادہ تعداد گھوڑوں کے لیئے صحیح نہیں ہوسکتا ہے پہلے آبادی کم تھی جنگلات زیادہ تھے تندرستیاں لوگوں کی اچھی تھیں۔ بیماری سے مقابلہ کی قوت زیادہ تھی یعنی دانت مضبوط تھے اور دندان ساز کم تھے اب آبادی کی تعداد تہذیب کے ساتھ ساتھ زیادہ ہوگئی رہائش زندگی پیچیدہ ہوگئی ہے۔ زیادہ تر آدمی قدرتی اور محنتی نہیں رہے بیمار

دن بدن زیادہ ہوتی ہیں اس لیئے کھاد اور غلاظت جو پودوں کی زندگی ہے اور ہماری موت ہے ان کو پودوں ہی کے میدان میں رہنا چاہیئے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ ہر گاؤں میں اتوار منایا جائے یعنی اتوار کے دن کوئی کام جوتائی۔ کھودائی۔ نرائی کا نہ کیا جائے۔ اتوار والے دن ہر کاشتکار کو چاہیئے کہ وہ دن کے چار بجے ایک وقت کھانا کھائے خواہ مذہبی خیال سے یا تندرستی کے لحاظ سے۔ کھانا بقیہ ہفتہ کے دنوں سے مختلف اور ہلکا ہو یا ساگ ہو پھل والا ہو اس روز ہر کاشتکار اپنا فرض سمجھے کہ وہ اپنے گھر کا جمع کیا ہوا چھ دن کا گھور اکوڑا خواہ ٹوکروں کے ذریعہ یا ٹھیلوں کے ذریعہ یا گاڑی میں بھر کر کسی اپنے قریب کے کھیت میں خندق میں ڈالکر دبا دے۔ ایک ہل والے کاشتکار کے لیئے چار گز لمبی دو گز چوڑی تین گز گہری خندق اپنے قریب کے کھیت کے دکھن کی سمت میں بنانا چاہیئے۔ اگر ممکن ہوسکے تو ایسی خندق کو چھپر سے چھا دے تاکہ سورج کی کرنیں دھوپ کی گرمی سے کھاد محفوظ رہ کر اس کے آکسیجن یا آکسی ۔۔۔ پودوں کی زندگی کے لیئے قایم رہے یہ کنوار کے دسہرے سے جیٹھ کے دسہرے تک ہونا چاہیئے جیٹھ کے دسہرے پر کھاد والی کھنتی کھول دی جائے اور کھیت میں ڈیڑھ فٹ گہری ڈیڑھ فٹ لمبی اور کھیت کی چوڑائی بھر کھنتی کھود کر اس میں گھور ادفن کر دیا جائے اور مٹی سے دبا دیا جائے۔ ایک کھنتی کا فاصلہ دوسری کھنتی سے ۸ فٹ ہونا چاہیئے دوسرے سال سے اس طریقہ سے اسی کھنتی میں کھاد ڈالا جاوے۔ اس

طریقہ سے کھاد ڈالنے پر بیس برس تک کھیت میں کھاد ڈالنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ بڑے سے بڑا رقبہ کاشت بیس سال کے اندر کھاد دار ہو کر زمین کو زرخیز کر دے گا۔ اور گاؤں کی صفائی بھی قائم رہیگی۔ تازہ کھاد کھلے کھیتوں میں ڈالنے سے مثل اس سوکھے یا جلے ہوئے کھانے کے ہے جو ہمارے جسم میں جزو بدن نہیں ہو سکتا۔ مالدار کاشتکاران یا بڑے زمیندار اپنے یہاں کا کوڑا و گوبر روزانہ کھیتوں کی کھیتوں میں ڈلوا سکتے ہیں۔ مگر اتوار کا دن بھی عام صفائی کے لیے اُن کو بھی منانا چاہیئے۔

بیج کی خرابی یا کمزوری کاشتکار کی ساری کوششوں کو رائیگاں اور بے سود کر دیتی ہے۔ بہترین بیج بہترین اور قابل اعتماد فارموں سے لیا جاوے۔ اس کی جانچ کی جاوے۔ اور پھر کاشتکار کو چاہیئے کہ نمونہ کے بیج سے اپنے ہاں نمونہ کا بیج پیدا کرے یعنی خاکی کپاس۔ جوار۔ پوسا گیہوں۔ پیلی سرسوں۔ بڑا آلو۔ نئے ایجاد کردہ ترکاریوں کے پھل وغیرہ ہر کاشتکار کو بونا چاہیئں۔ اگر بیس بیگہ کا کاشتکار ایک بیگہ کاشت نمونہ کے بیجوں کے لیے ایک سال کے لیے چھوڑ دے تو آئندہ سالوں کے لیے وہ اُسی ایک بیگہ سے اپنی کل کاشت کے لیے نمونہ کا بیج پیدا کر سکتا ہے۔ بیج کا رکھ رکھاؤ ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ آدمی اپنی نسل قائم رکھنے کے لیے اپنے بچوں کی داشت اور پرورش اور حفاظت کرتا ہے۔ بیج رکھنے کے

بے زمین سے ایک گز اونچے پر چرسی یا گرینری بنائی جائے۔ مالدار کاشتکاران زمین سے تین فٹ اونچی پختہ اینٹ کی ڈاٹ لگوا کر اُس کے اوپر ایسی چرسی یا گرینری زین یا اینٹ کی بنوالیں۔ تو بیج کے دانوں میں دیمک یا گھن لگنے کا اندیشہ نہیں رہتا صحیح دانہ سے صحیح دانہ پیدا ہوگا۔ بہت سے بیج زمین میں دفن کئے جاتے ہیں مثلاً ایکھ۔ ادرک وغیرہ کا بیج وہ ایسے مقام پر رکھے جاتیں جہاں زیادہ نمی اور زمین کی دیمک سے محفوظ رہے۔ یہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں کہ جن پر جس قدر زیادہ غور کیا جاوے اُتنی ہی زیادہ سودمند ثابت ہونگی۔

کاشتکارانہ زندگی کے لیے جس قدر اچھی پیداوار صاف زندگی رکھ رکھاؤ بیج کھاد اچھے جانوران کی ضرورت ہے۔ اُسی قدر اُن کے لیے تین باتیں اور ضروری ہیں۔

(۱) یہ کہ اپنے پیدا کئے ہوئے اناج کو اچھے بازار میں اچھے نرخ سے فروخت کر سکیں۔ اور سود سے بچے رہنے کی کوشش کریں۔

(۲) اپنے پسینے کی کمائی بلا وجہ کے جھگڑوں میں پڑ کر مقدمہ بازی میں صرف نہ کریں۔ اور اپنے زمینداران سے تعلقات محبت اور اعتماد کے رکھیں۔

(۳) سال میں چار یا پانچ مہینہ جو ہر کاشتکار کے بیکار گزرتے ہیں اُنکو

کسی کارآمد یا سودمند پیشہ یا مشغلہ مین کام مین لائین - یہ آخری بات ہر
کاشتکار کے امکان مین ہے کہ وہ اپنے خالی زمانہ مین سن کی رسیان
بٹ کر فروخت کرسکتا ہے - درزی اور بڑھئی کا کام سیکھ سکتا ہے - کپڑا بننا
سیکھ سکتا ہے - یا اپنے ملک کی زبان مین نوشت و خواند سیکھ سکتا ہے - اور
اسے سیکھ کر اپنے لیے آیندہ کے لیے کارآمد بنا سکتا ہے - بہت سے
کاشتکار ہماری رائے مین اس زمانہ مین اپنے لیے کچی انٹین بنا کر
چھوٹی چھوٹی نالیون مین اون کو پکا سکتے ہین - اور کام معماری مین مہارت
حاصل کرکے دس پندرہ سال کی مساعی کے بعد اپنے لیے پختہ مکان
بنا سکتے ہین - یہ بیکاری کا زمانہ جو ان کی زندگی کا ۱/۳ ہوتا ہے - اس قدر
فضول باتون مین صرف ہو جاتا ہے کہ جس کے نقصانات کو وہ بغیر اعلے
تعلیم کے سمجھ ہی نہین سکتے - علاوہ پیشہ کاشتکاری کے مالدار کاشتکاران
دودھ اور گھی کے جانوران زیادہ تعداد مین ایک ایسے مقام پر رکھ
سکتے ہین جو کسی بڑے شاداب رقبہ اور ذرائع آمدورفت کی بڑی جگہ
کے قریب ہو - ایسا کارخانہ گایون اور بھینسون کا دس پانچ شخص
مل کر بھی کھول سکتے ہین - جس کی نگہداشت آپس کے پڑھے لکھے
شخص کی سپرد بعوض تنخواہ کرکے جانورون کی نسل کشی اور ترقی نسل
جانوران کرتے ہوئے ان کا گھی اور دودھ فروخت کرکے مستفید ہو سکتے ہ

اُٹھا سکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ گھی کی ضرورت دیہات میں بھی ہے اور شہروں میں بھی ہے۔ مگر مکھن۔ دودھ اور چھاچ (مٹھا) بڑی بڑی آبادیوں میں فروخت ہو سکتا ہے۔ اسلئے یہ کارخانہ یعنی ڈیری فارم بڑی آبادی اور بڑی بستیوں کے قریب ہی ہونے سے فائدہ مند ہو سکے گا۔ اور اس کام کو بڑے بڑے زمیندار ان بھی اچھے پیمانہ پر چلا کر کامیاب ہو سکتے ہیں ایسے ڈیری فارموں کی دیہات اور شہروں کے لیے بڑی سخت ضرورت ہے۔ باشندگان شہر کو صاف دودھ۔ صاف گھی اور عمدہ مکھن نہیں ملتا ہے۔ ترکاریوں کا یا آمیزشی گھی اور خراب مکھن اور ناقص دودھ ملنے سے شہروں میں زیادہ تر پھیپھڑوں کی، جگر کی، دل کی، بیماریاں آئے دن ہی رہتی ہیں۔ باشندگان شہر جن کا تعلق زمینداری یا کاشت سے نہیں ہے وہ اچھا گھی۔ عمدہ دودھ جانور رکھ کر حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر رکھتے بھی ہیں تو صرفہ کے بموجب فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں دیہاتی زندگی کو چمکدار اور ستھرا بنانے کے لیے باشندگان شہر پیشہ دوکانداری۔ ڈاکٹری۔ وغیرہ۔ کرتے ہیں۔ باشندگان دیہات ان کو غلہ اور ترکاریاں بہم پہنچاتے ہیں لیکن گھی اور دودھ بھی عمدہ مہیا کر سکیں تو شہری زندگی بھی تندرست ہو کر آئے دن کے امراض سے محفوظ رہے۔ اسی طرح پر جب کہ ڈیری فارم سے دونوں قسم کی بستیاں

فائدہ اُٹھا سکتی ہیں پولیٹری فارم سے یعنی مرغی خانہ قائم کرکے دونوں قسم کی بستیاں اپنی اپنی ضرورت کے بقدر مستفید ہو سکتی ہیں۔ مرغیوں کی زندگی بھی دیہات میں بڑی غلیظ رہتی ہے۔ اور یہ ہی خاص وجہ ہے کہ مرغیوں کی پرداخت مقبول عام نہیں ہے۔ مرغیاں بھی بہت صاف ستھری مثل دیگر جانوروں کے رکھنی چاہئیں۔ اور اُن کی نسل کشی کے لیے اچھے مرغی خانوں سے مادہ و نر خریدنا چاہیئے۔ اچھی قسمیں مرغیوں کی لکھنؤ کے پولیٹری فارم میں بہت کثرت سے ہیں۔ مثلاً بلنگٹن لیگ ہارن قسم کی مرغیاں اس حصہ میں بھی آسانی سے پالی جا سکتی ہیں۔ اگر اچھے پیمانہ پر مرغیوں کی داشت کی جائے تو یہ روزگار بہت جلد ترقی پکڑتا ہے۔ اور بہت جگہ پر منافع ثابت ہوا ہے۔ اس کارخانہ کے لیے زیادہ روپیہ کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف چند امور ذیل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) مرغیوں کی داشت اس طرح پر کی جاوے کہ اُن کو ہر اتوار والے دن گندھک اور آٹے کی راکھ میں نہلایا جاوے۔ یعنی گندھک اور آٹے کی راکھ ملا کر اُن کے پروں کے اندر جسم کی جلد پر چھوڑ دی جاوے۔ اسی طرح سے دن بھر بھرنے دیا جاوے دوسرے دن یہ از خود صاف ہو جائیں گی۔ یا کپڑے سے انھیں صاف کر دیا جاوے

(۲) مرغی خانہ جالی دار ہر جوڑے کے لیے جدا جدا ہو۔

(۳) پانی صاف اور تازہ ملنا چاہیئے۔

(۴) گھورے یا غلاظت پر چگنے نہ دیا جاوے۔ اس کے لیے وہ ایک لمبے چوڑے باڑے میں بند رہیں۔ اس باڑے کی زمین اس قسم کی بنا دی جاوے۔ جس میں کچھ حصہ کھودا ہوا رہے۔ کچھ حصہ سخت اور گھاس دار رہے۔ تاکہ وہ دھوپ بھی کھا سکیں۔ کھودے ہوئے حصہ میں زمین کے کیڑے مکوڑے بھی کھا سکیں۔ اور دانہ ان کو دھان جو۔ باجرہ۔ گیہوں فصل فصل کے موافق کھلے ہوئے میدان میں دیا جاوے۔

(۵) مرغیوں میں وبائی امراض بالخصوص چیچک کا بڑا خطرناک مرض ہوتا ہے۔ اس سے بعض اوقات مرغی خانہ کے مرغی خانہ ایک دم تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس وبا سے بچانے کے لیے جس قدر صفائی دربول کی رہے گی اسی حد تک بیماری سے حفاظت رہے گی۔ جو صاحب پولٹری فارم کھولنا چاہتے ہیں اُن کو لکھنؤ کا پولٹری فارم ایک مرتبہ ضرور دیکھ لینا چاہیئے۔

بڑے پیمانہ کی کاشت ہر بڑے زمیندار اور تعلقدار کو کرنا لازمی ہو رہی ہے۔ پروفیسر ہگنم باٹم صاحب ایم۔ اے، کا زراعتی فارم

جو ایک نمونہ کا فارم اس صوبہ میں ہے۔ اس کے دیکھنے سے تجربہ حاصل ہوگا کہ اس فارم میں کس قدر روپیہ لگا ہے۔ اور کس قدر فائدہ ہوتا ہے ایک عرصہ ہوا تب یہ فارم ہم نے دیکھا تھا۔ اسی فارم کے نمونہ پر لائے ہریلی میں راجہ سر راجپال سنگھ صاحب تعلقہ دار و سردار بہادر سردار نہال سنگھ صاحب و دیگر صاحبان نے اپنے اپنے علاقوں میں فارم کھولے ہیں۔ الہ آباد کے فارم میں نئے نئے نمونہ کے ہل مشین ٹریکٹر زمین کھودنے کی مشین۔ زراعی کی مشین۔ آبپاشی کی مشین۔ موجود ہیں اس فارم میں جہاں تک ہم کو یاد ہے نمونہ کا بیج ڈالا جاتا ہے اور کھیتوں سے کھاد پڑتا ہے۔ دودھ والے جانور اعلےٰ نسل کے موجود ہیں۔ ان کے مویشی خانہ اس قدر صاف اور ہوادار سے کے بنے ہوتے ہیں کہ جس کی وجہ سے جانوروں کی تندرستی بہترین تندرستی ہے اس زمانہ میں ایک گائے اس کارخانہ میں تھی جس کا پیدایشی سلسلہ امریکی نسل سے تھا۔ ہمارے یہاں کی گاؤں سے کچھ زیادہ جسامت میں نہ تھی۔ مگر اس کا ڈیل ڈول بڑا سڈول اور خوشنما تھا دونوں وقت میں وہ غالبًا ۲۰ یا ۲۵ سیر دودھ دیتی تھی۔ اگر ایسے ہی نمونہ کے فارم۔ اور نمونہ کے جانوران ہر حصہ میں بڑے بڑے زمیندار ان رکھیں تو اس سے ان کو بھی فائدہ ہوگا۔ اور ان کے کاشتکاران کے سامنے ایک نمونہ

وہ کر اُن کی کاشتکاری زندگی میں ترقی کا خیال پیدا کریگا۔

کاشتکاران کے لیے یہ بھی بڑا ضروری ہے کہ وہ اپنے پیدا کیے ہوئے غلہ میں سے اُرد، مونگ، ارہر، دھان، حتی الوسع ثابت نہ فروخت کریں بلکہ دالیں تیار کرا کر فروخت کریں۔ چوکر اپنے جانوروں کے دانہ میں کام میں لائیں۔ کاشتکاری کے پیشہ میں اگر ان تمام باتوں پر عمل کر لیا جائے تو سوائے آفات ارضی و سماوی کے اور کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا ہے۔ آفات ارضی و سماوی انسانی اقتدار سے باہر ہیں جہاں پر ان کی کوششیں ناکامیاب رہی ہیں وہاں پر راج کی امداد سے سہولیت ہوتی ہے۔ ٹاڈی سیلاب آتشزدگی۔ خشک سالی کے زمانہ میں اس ملک کو بڑا نقصان ہوتا تھا۔ سلطنت برطانیہ کے زمانہ سے کاشتکاران آفات آسمانی سے بہت محفوظ رکھے گئے ہیں۔ ذرائع آمدورفت تعلیم ماہرین زراعت نے ایسی آفتوں کے وقت جو جو امداد منجانب گورنمنٹ کی ہے اس کے اظہار کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بہرکیف اس خطرہ آسمانی کو خیال کر کے سلسلہ کاشت کو ہی بے قابو سمجھنا انسانی اہمیت کو ہی بھول جانا ہے جہاں انسانی عقل کام نہیں کرتی وہاں پر دعا کام دیتی ہے۔

باب دوم

طریقہ تندرستی و صفائی دیہات

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک   تندرستی ہزار نعمت ہے

تندرستی ہزار نعمت ہے اس کو قائم رکھنا انسانی فرض ہے۔ اس کے قائم رکھنے کے طریقے مختلف صورتوں میں مختلف ہوتے ہوئے بھی اہار، بیو ہار اور پیا یام یعنی غذا رہن سہن اور ورزش پرداہ و مدار رکھتے ہیں ہماری غذا صاف قدرتی اور ایسے اجزا کی ہو جو جسم میں خون صالح پیدا کر سکیں بیماری کی حالت میں ادویات سے غذا کو مدد دی جاتی ہے تندرستی کے زمانہ میں کوشش کرنا چاہیئے کہ ہمارے روزمرہ کے کھانے میں کم سے کم ¼ حصہ دودھ ہو ¼ حصہ سبزی اور پھل ہو ¼ میں گیہوں چنا ہو۔ غذا زود ہضم اور ہلکی ہو اور ایسی ہو جس سے کافی خون پیدا ہو۔ ہر لقمہ کو ۶۴ مرتبہ چبایا جاوے پانی یا تو کھانا کھاتے وقت کھانے کے درمیان میں پینا چاہیئے یا کھانا کھانے

بوقت قطعی نہ پیا جائے۔ ایک کھانا اور دوسرے کھانے کے درمیان اگر پانی پیا جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔ پانی ٹھہر ٹھہر کر اور جبڑوں کو دبا کر پینا چاہیئے۔ غذا کو اس قدر چبایا جاوے جو مثل پانی کے حلق سے اونر جاوے ایسا کرنے سے دانتوں کا کام دانت خود انجام دیں گے اور آنتیں اپنا کام خود کریں گی۔ پھر کھانے کے بعد دانتوں کو اس قدر صاف کیا جائے کہ ان میں کوئی ایسا مادہ نہ رہ جائے جس سے دانتوں کے امراض مثلاً پائیریا وغیرہ پیدا ہوں۔ دانتوں کے امراض سے جسم کا خون زہریلا ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی بتدریج زہریلے اثر سے گھٹ جاتی ہے۔ دانتوں کو صاف کرنے کے لیے نیم کی داتون اور نمک اور کڑوے تیل سے دانت بہت ہی اچھی طرح صاف ہو جاتے ہیں۔ زیادہ ٹھنڈا پانی یا میلا پانی دونوں ہاضمہ کو خراب کرتے ہیں۔ باسی کھانا جسم میں رطوبت پیدا کرتا ہے۔ بالخصوص باسی گوشت سڑا ہوا۔ پوراتی مٹھائی سڑے یا کچے پھل تندرستی کے لیے بہت مضر ہیں۔ زیادہ گرم کھانا معدہ اور دانت دونوں کے لیے مضر ہے۔ پان بیناکو۔ سگریٹ۔ حقہ۔ غیر قدرتی چیزیں ہیں۔ ضروری نہیں ہیں۔ بلکہ عادتاً زیادہ استعمال میں ہیں۔ ان کے استعمال سے دل، جگر، دانت اور آنکھ کو نقصان پہونچتا ہے۔ شراب، بھنگ اور افیون۔ سلفہ اور دیگر منشی اشیاء قدرتی زندگی کے لیے اس قدر مضر ہیں جن کے اوپر علیحدہ علیحدہ بہت کچھ لکھا

جا چکا ہے۔ جس کے کھانے سے خدا فراموشی ہوتی ہے۔ اسی کو لقمہ حرام یا ناجائز کہتے ہیں۔ منشی اشیا کے استعمال سے اشتہا کا ذوب پیدا ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی چیزوں کے استعمال کرنے والے یا تو سوکھ جاتے ہیں یا غیر ضروری فربہ ہو کر اُن کو جلندھر استسقا کے امراض پیدا ہو کر جا مر جاتے ہیں۔ منشی اشیاء کے استعمال کرنے والے کوئی دماغی کام بھی اچھا نہیں کر سکتے۔ اُن کا حافظہ اور دماغ کمزور ہو جاتا ہے۔ جتنی تندرستی اچھی ہوتی ہے اُتنا ہی جلد زہریلا اثر ان چیزوں کا استعمال کرنے والے پر ہوتا ہے۔ اعضائے رئیسہ کے لیے قدرتی غذا جیسی ضروری ہے اُسی طرح باہری جسم کے لیے کثرت کرنا ضروری ہے۔ کھیل کود۔ محنت مشقت دوڑ دھوپ یہ سب ورزش میں داخل ہیں۔ جسم کے اندرونی زہریلے اثر کو خارج کرنے کے لیے ہمیں کوئی ایسی کثرت کرنا چاہیئے جس سے پسینہ جسم پر آ کر مسام صاف ہو جاویں۔ اس کے بعد روزانہ غسل صاف پانی سے کرنے سے جسم کی اندرونی اور بیرونی صفائی ہوتی رہتی ہے۔ طریقہ غسل ایسا ہونا چاہیئے جس سے جسم کے مسامات کے اوپر کوئی میل یا مٹی نہ رہے۔ ہر ہفتہ میں تیل کی مالش کرنا تندرستی کے لیے مفید ہے۔ تیل کی مالش جاڑوں اور برسات میں بہت ہی زیادہ ضروری ہے۔ ہر کھانے کے بعد تین گھنٹہ کا وقفہ ہونا چاہیئے دوپہر کے کھانے کے بعد فوری محنت کا کام لینے سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے شام

کا کھانا کھانے کے بعد فوراً ہی سو جانے سے بھی ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔

ہمارے رہنے سہنے کے مکان گنجان بستی سے اگر الگ ہوں تو نہایت ہی بہتر ہے اس کے اوپر مضمون ماسبق مین ہاؤس اسکیم کے اوپر ہم زور دے چکے ہین کہ اگر کاشتکاران و زمینداران اپنے اپنے زراعتی چکوں میں آباد ہو جاوین تو بستی کا دھواں خراب ہوا آبادی کی گنجلک غلیظ کیچڑ وغیرہ کے مضر اثرات سے ملیریا و دبائی امراض کے حملوں سے قدرتی طور پر محفوظ رہ سکتے ہین۔ بڑی بڑی بستیوں اور آبادیوں مین ٹاؤن ایریا اور میونسپلٹی کی اسکیم جاری ہین۔ گورنمنٹ عالیہ نے بعض بعض اضلاع مین دیہات میں بھی اسکیم صفائی جاری کر دی ہے۔ اس اسکیم کا خلاصہ یہ ہے۔

ا۔ گاؤں کے چاہات پختہ ہوں۔ اُن کی من زمین سے ڈھائی یا تین فٹ اونچی رہے من اس قسم کی آڑی بنائی جاوے کہ پانی بھرنیوالے چرخی میں رسّی ڈال کر پانی بھرین تاکہ اُن کے پیروں کی گرد وغیرہ کیڑے پانی میں نہ جا سکین۔ دوسرے اس سے یہ بھی فائدہ ہے کہ باشندگان کنوین کی من پر بیٹھکر نہیں نہا سکتے نہ اُن کے جسم کا غلیظ پانی کنوین کے اندر جا سکتا ہے مٹی کے سنے ہوئے لوٹے یا خراب گھڑے کنوین میں نہ ڈالے جاتین۔

سینیٹری ویل جو درجہ اول کے ہوتے ہین اُن میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے کہ درختوں کی پتیاں کنوین کے اندر نہ جا سکین پتیاں اندر گرنے

سے پانی سڑ جاتا ہے۔ اگر کنویں کے اوپر ٹین ڈالدیجائے تو یہ اندیشہ قطعی نہ رہے
برسات کے زمانہ میں بالخصوص کالرا کے زمانہ میں کنوؤں میں آدھی چھٹانک پوٹاس
ہر ہفتہ میں ہر کنویں میں ڈالنی چاہیے۔ محض پوٹاس کو کنویں میں ڈالدینے سے
کوئی نفع نہیں ہوتا ہے جب تک کہ وہ علیحدہ کسی برتن میں گھول کر نہ ڈالی جائے

۲۔ **گھر کا غلیظ پانی** نالی میں سے نکل کر سڑک پر یا گلی میں بہنے دینے سے کثافت
پیدا کرتا ہے۔ اور اس سے زہریلے مچھر پیدا ہوتے ہیں اس کے لیے سینٹری اسکیم
میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ ہر مالک مکان کو چاہیے کہ وہ اپنے نابدان سے ملا ہوا ایک
سوکھ پٹ یعنی چہ بچہ ڈیڑھ گز لمبا ڈیڑھ گز چوڑا دو گز گہرا کھود لیں اس گڑھے میں
نصف ریت اول بھرا جاوے اس کے اوپر نصف موٹا روڑا یا کنکر ڈالا جاوے بقیہ اوپر
کے حصہ میں چھوٹا روڑا پختہ اینٹ کا یعنی بجری بھر دینے سے چھ مہینہ تک یہ چہ بچہ
گھر کے غلیظ پانی کو جذب کرتا رہیگا۔ بشرطیکہ اس کے چاروں طرف پانو ایک ایک
اینٹ لگا دی جائے یا ایسا انتظام کر دیا جائے کہ گلی کی گرد یا اور جگہ کا پانی
چہ بچہ کے اوپر پھیل کر اس کے منہ کو گرد آلود کر کے فوراً جاذبہ کو خراب نہ کر دے

۳۔ بم پولس

بم پولس دیہات میں نہیں ہوتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باشندگان دیہات زیادہ تر
اپنے قریب کے تالابوں میں اپنی ضروریات رفع کرتے ہیں اور غلاظت بارش
کے زمانہ میں انہیں تالابوں میں سڑ کر آب و ہوا کو خراب کر دیتی ہے آبادی کے

اندر کے تالاب آبادی کے لیے بہت مضر ہیں۔ ایسے تالابوں کے پاٹنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ برسات اور وبائی امراض کے زمانہ میں کبھی کبھی مٹی کے تیل مل کر تالابوں میں چھوڑ دینے سے تیل کا جزو پانی کے اوپر آ جاتا ہے جس سے ملیریا کے مچھر کی پیدائش رُک جاتی ہے۔ تالابوں کی کائی اور گھاس جانوروں کے لیے بہت مضر ہے۔ باشندگان دیہات آپس میں چندہ کرکے آبادی کے اندر کے تالابوں میں اگر نصف پیپہ مٹی کا تیل کبھی کبھی ڈال دیا کریں تو پانی کی سطح بہت دنوں تک صاف رہے۔ ایسا کرنے سے دیہات میں جاڑے کی وبا کم پھیلے گی۔ ہر گاؤں میں ہم پولس ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے یہ مفید ہو گا کہ ہر مرد وعورت اپنی اپنی ضروریات رفع کرنے کے لیے خواہ اپنے کھیتوں میں یا قریب کے بنجر یا جنگل میں خندقیں کھودلیں اور فضلہ کو مٹی سے ڈھک دیا کریں ایسا ہونے سے یہ طریقہ پبلک لیٹرین سے بدرجہا بہتر ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ طریقہ بادی النظر میں تکلیف دہ ضرور معلوم ہوتا ہے مگر کچھ عرصہ عمل کرنے کے بعد اس قدر مفید ثابت ہو گا کہ دیہاتی زندگی میں صفائی کا جزو اس قدر بڑھ جائے گا جس سے اُن کے دماغی و جسمانی ترقی دن بدن زیادہ ہوگی۔

۴ کپڑوں کی دھلائی

دیہات میں دھوبی کپڑے صاف نہیں دھوتے ہیں۔ دیہاتی دھوبی کپڑوں کو غلیظ تالابوں میں پچھاڑ لاتے ہیں۔ چیچک کے زمانہ میں انھیں دھوبیوں کے

دُھلے ہوئے کپڑوں کے ذریعہ سے بیماری پھیلتی ہے۔ دیہات میں کپڑوں کی دُھلائی کے لیے زیادہ بہتر ہو کہ کوئی خاص تالاب مخصوص کر دیا جائے۔ روزمرہ کے کپڑے ہر مرد اور ہر عورت کو اپنے آپ خود صاف کر لینا چاہئیں یہ رواج پہاڑی اضلاع میں دیکھا گیا ہے کہ وہاں کی عورتیں اپنے گھر کے کل کپڑے روزانہ خود دھو یا کرتی ہیں۔ ریٹھے اور ریہہ دیہات میں کثرت سے ملتے ہیں جو کپڑوں کے صاف کرنے کے لیے بہترین صابون کا کام دیتے ہیں۔ بازار میں کپڑے دھونے کا دیسی بنا ہوا صابون عام طور سے فروخت ہوتا ہے۔

۵۔ آبادی کے اندر گھورے کوڑے نہیں ڈالنا چاہیئے اس کے لیے ہم مضمون ماسبق میں مفصل طور پر بتلا چکے ہیں کہ ہر کاشتکار کو اپنا گھورا کوڑا کس طرح محفوظ رکھ کر کام میں لانا چاہیئے یعنی گھورا کوڑا یا تو قریب کے کھیت کی کھتیوں میں دفن کر دیا جائے یا قریب کے افتادہ بنجر یا اراضی میں خندقیں بنا کر گھورے کوڑے کو دفن کیا جاوے۔ ہر موضع کے زمینداران کو چاہیئے کہ کاشتکاروں کے لیے آراضی افتادہ میں گھورے کوڑے کی خندقیں بنانے کی اجازت دیدیں۔

۶۔ دیہاتی روشنی دیہاتی بستیوں میں خواہ بڑی ہوں یا چھوٹی روشنی کا کوئی انتظام گلیوں یا چوراہوں پر نہیں ہے اور اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے اس سلسلہ میں ہر باشندے کو دو باتیں یاد رکھنا ضروری ہیں۔ اول یہ کہ ہٹی کا تیل سونے بیٹھنے یا کھانا کھانے

کی جگہ پر کھلی ہوئی ڈبیوں میں نہ جلایا جاوے کیونکہ کھلی ہوئی ڈبیوں سے مٹی کے تیل کا دھواں آنکھوں جگر دونوں کے لیے مضر ہے۔ ان کی بجائے اگر لالٹینیں یا لیمپ میسر نہ ہوں تو مٹی کے چراغوں میں سرسوں۔ دواں۔ بنولے۔ اناڑی ہوا یا کیٹا کا تیل استعمال کرنا چاہیے۔ اگر ممکن ہو سکے تو مٹی کے تیل کے جلانے کے لیے دو لالٹینیں رکھ لی جائیں ایک لالٹین مستورات کے دستی استعمال کے لیے دوسری مردوں کے استعمال کے لیے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو برسات کے زمانہ میں شام کو کھانا دن سے تیار کر کے کھا لیا جاوے جس سے عورتوں کو اندر مکان کے رات کے وقت سامان رکھنے یا جانے کی ضرورت نہ رہے۔ یہ دستور العمل اس لیے ہونا ضروری ہے کہ دیہات میں سانپ اور بچھو کے کاٹنے کے واقعات بہت ہوتے ہیں۔ اگر ایسا کیا جاوے تو سانپ اور بچھو کے کاٹنے کی وارداتیں جو قریب نوسو کے صوبہ ہذا میں پچھلے سال ہوئی تھیں کم ہو سکتی ہیں۔

دیہاتی زندگی کے دن اب ترقی کے آرہے ہیں۔ موجودہ گورنمنٹ ان کی بہبودی کے لیے ہر امکانی کوشش کر رہی ہے اور روز بروز قریب ہے جبکہ صوبہ کی کونسلوں میں دیہاتی ووٹروں کی کثرت رائے ہوگی اور حکومت میں بہت بڑا حصہ اسی اکثریت کا ہوگا۔ جب تک کہ دیہاتی لوگ اپنے آپ میں صفائی، سچائی، ہمدردی، خیر خواہی، صحیح طریقہ تندرستی، صحیح حساب کتاب لین دین، کاشتکاری اور صحیح طریقہ کاشت، اعتماد و اعتبار، صحیح واقفیت قانون

پابندی اوقات، کفایت شعاری پیدا نہ کریں گے۔ اس وقت تک جس کام کے
لیے گورنمنٹ انھیں موزوں سمجھ رہی ہے نہیں کر سکیں گے۔ دیہات میں کشتی کے
اکھاڑے، لاٹھی اور بنیٹی کے اکھاڑے کسی زمانہ میں بہت رائج تھے۔ نئی
روشنی کے لوگوں نے ان اکھاڑوں کی سرپرستی چھوڑ دی ہے ہماری رائے
میں ہر موقع کے بڑے بڑے زمینداروں کو ایسے اکھاڑوں کی سرپرستی اور
اعانت کرنا چاہیے۔ کبڈی کھیلنے والی پارٹی قائم کر دینی چاہیے۔ یعنی پرانے
ورزشی فنوں کو از سر نو زندہ کرنا چاہیے۔ جو کم خرچ اور سادہ ہیں۔

دیہات کے مدرسوں میں وہاں کے مقامی استاد خود سینٹری اسکاوٹ
ماسٹر بنیں اور سمجھدار طالب علموں کو سینٹری اسکاوٹ بنا کر ان کو تعلیم دیں
اور اشاعت کریں تاکہ ہر باشندہ کو اصول صفائی سے عملی واقفیت ہو جائے
دیہات کے ہر شعبہ زندگی میں وہاں کے مقامی زمیندار، لوکل پٹواری، مدرسہ
کے استاد اور پنچایتوں کے سرپنچ بہت بڑا حصہ لیکر اسکو صحیح راستہ پر ڈال سکتے ہیں۔ یہ اظہار کرنا
بیجا نہ ہوگا کہ ہر تحصیل کی ریفارم لیگ کے مرکزی پریسیڈنٹ صاحبان ان
باتوں کو بخوبی سمجھ کر ان کا پرچار اپنے اپنے سرکلوں میں انسانی ہمدردی کے
ساتھ کریں۔ کیونکہ کاشتکاران اگر تعلیم یافتہ نہیں ہیں تو ان کو صحیح تر بہت
ہمدردی کے ساتھ ضرور دی جا سکتی ہے۔ اور ان کا سدھار یا ادھار ان کے
کھیتوں اور مکانوں ہی سے ہے جس طرح رہیں گے جیسی زندگی بسر کریں گے

ویسا ہی نتیجہ زندگی اُن کے سامنے ہو گا۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو گندم از گندم بروید جو ز جو

یا یوں کہئے کہ بقول انگریزی ضرب المثل جھاؤ کے درخت سے انجیر پیدا نہیں ہو سکتے۔ انجیر پیدا کرنے کے لیے انجیر ہی کے درخت لگانا ہوں گے دنیا میں کوئی شخص ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ ترقی کرنے کی تکالیف برداشت نہ کرے۔ انگریزی ضرب المثل ہے کہ ہم پڑھ نہیں سکتے تاوقتیکہ پڑھنے کے مصائب برداشت نہ کریں۔

باب سوم

باہمی اتحاد و اعتماد

بشر کو چاہئے ملتا رہے سب سے زمانہ میں
کسی دن کام یہ صاحب سلامت آہی جاتی ہے

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ انسانیت اور مصوبیت وہ خاصیتیں ہیں جو اسے زمانہ میں زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کر کے گذارنے کے لیے کہا جاتا تھا یعنی

برہم چریت، گرہست، بانو پرست اور سنیاس یعنی تجردی - ازدواجی - دماغی جدوجہد اور ترک دنیا۔ اگر وسعت نظر سے کام لیا جاوے تو زندگی کی دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ یعنی کاروباری زندگی اور روحانیت کی زندگی کاروباری زندگی کے لیے وہی بچّہ جوان ہو کر دنیاوی جدوجہد میں کامیاب ہونگے جن میں کام کرنے کی قابلیت۔ صحیح دماغی قوت۔ سچائی - دیانتداری اتفاق اور ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے کی صفات ہونگی - یہ خاصیتیں مزاج میں صحیح طریقہ تعلیم ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں جس سوسائٹی یا جماعت کا (۱) اہار (غذا) (۲) بیوہار (اخلاق) (۳) بیوپار (کاروبار) (۴) بیایام (ورزش) (۵) شکشا (تعلیم) (۶) گیان (معرفت الٰہی) (۷) کلا کوشلتا (صنعت و حرفت) (۸) کاریہ تت پرتا (سلیقہ کام) صحیح نہیں وہ سوسائٹی دنیا کی جماعتوں میں زمانہ کے ساتھ نہیں دوڑ سکتی - دنیاوی رفتار میں اگر کوئی سوسائٹی آگے نہیں بڑھی تو پیچھے بھی نہیں رہ سکتی - یعنی یا تو ترقی کرے گی یا زمانہ کے ہاتھوں نیست و نابود ہو جائے گی مکانات بنتے اور بگڑتے چلے آئے ہیں - خاندان چمکتے اور اوجڑتے چلے آئے ہیں مگر جن قوموں میں اتحاد تعلیم اور متذکرہ بالا صفات قائم رہی ہیں وہ صفحہ ہستی پر کسی نہ کسی شکل میں قائم ضرور رہی ہیں - دنیا میں قائم رہ کر بھی ہمیں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ ہماری آیندہ مجموعی زندگی کا انجام کیا ہوگا

دنیا سے علیحدہ ہو کر شخصی زندگی کے لیے مسئلہ بہت سہل ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ انسانیت اور معصومیت کی دو خاصیتوں کو حاصل کر کے ہم آئندہ دائمی زندگی کی ٹٹول میں اندر جائیں دائمی زندگی تین حصوں میں بہ آسانی تقسیم ہو سکتی ہے۔

(۱) جوگ (صوفیت) (۲) تپ (عبادت و نفس کشی) (۳) گیان (معرفت آلٰہی)

ان تینوں باتوں کا احساس آسان تو نہیں ہے لیکن کچھ بہت مشکل بھی نہیں ہے بشرطیکہ۔

(الف) سنجم (اعتدال) (ب) نیم (اصول)
(ج) آچار (طہارت) (د) وچار (پاکیزگی خیالات)
(س) سداچار (تقدس) (ز) اہنسا (کسی کو ایذا نہ پہنچانا)
(ش) ایشور پریم (محبت دنیا) (ص) سنیہہ (راستی)

کے اصولوں پر درجہ بدرجہ قدم رکھتے ہوئے ان خیالات کی پاکیزگی اور اثرات کو محسوس کر کے اپنا طرز زندگی صحیح کیا جائے۔ اس طرح کی زندگی میں کسی مذہب یا ملت کے لوگوں کو برا کہنے یا ان سے نفرت کرنے کا نہ تو موقع ہوتا ہے نہ ان کو نفرت کرنے کا خیال ہوتا ہے۔ اس قسم کی زندگی اعلےٰ پیمانہ کی ہوتی ہے جو ہر شخص کے بس کی نہیں۔ ہمارا تعلق اس موقع پر کاروباری زندگی سے ہی ہے اور اسی پر اور غور کریں گے۔ ہم اپنے روزمرہ کے کاموں میں اگر اعلیٰ

پیمانہ کی زندگی کے اصولوں کو جن کی تفصیل بیانات گذشتہ میں دی گئی ہے کام
میں لائیں تو ہماری جماعت اُن قابل قدر جماعتوں میں ہو سکتی ہے جن میں
خودداری قدرتی ہو گی۔ دوسرے اس کی عزت کریں گے۔ وہ حکومت کرنا بھی
جانے گی اور احکام قوانین کی پابندی کو فرض سمجھے گی۔ جو جماعت احکام کی
پابندی یا قانون کی عزت کرنا نہیں جانتی اُس میں امن قائم نہیں رہ سکتا
حکمرانی ہر صورت میں ہوتی چلی آئی ہے۔ حکمران اور محکوم میں یہی فرق ہے
محکوم اقوام کو اپنی اقتصادی و تمدنی اور اخلاقی مشکلات کو اپنے حکمران کے
سامنے پیش کرنا پڑتا ہے خواہ وہ فریاد کی شکل میں ہو یا زمانہ موجودہ کے طرز پر
وفد کی صورت میں ہو۔ ہر صورت میں صحیح واقعات ہی سے صحیح نتیجے
نکلیں گے۔ ہم چاند کے لیے رو کر چاند حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ان قوموں کے
ساتھ چل سکتے ہیں جن کا قومی اخلاق اُن کی ہمارے دی وسلیقہ کام قومی نظم ہم سے
بڑھا چلا آتا ہے۔ اکائی سے دہائی بڑا ہے اور دہائی سے سیکڑہ بڑا ہوتا ہے علی ہذا القیاس
جو ہندسے اپنی اپنی جگہ پر ہوتے ہیں اُن کی وہی قیمت ہوتی ہے یعنی ۳۰۰ میں
پہلا ہندسہ ۳۰ نہیں ہو سکتا اور دوسرا ۳۰۰ نہیں ہو سکتا۔ ترقی و تہذیب آزاد
خیالی سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جذبات کا غلام نہ بننا روحانی آزادی ہے مگر
حکومت کا قانون توڑنا ملکی آزادی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہم کریں گے تو ہم دنیا میں
کسی کام کو نبھانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ غلط خیالی دماغی بیماری ہے۔

عقل سلیم سے اگر کام لیا جائے تو ہمارا دماغ ہم کو خود بتائے گا کہ حسد، حرص، غصہ،
غرور، انتقام کے جذبات کے ماتحت جب تک ہم کوئی کام کریں گے۔ ہم اس میں
کوئی خودداری اور کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ نیک خیالی اور نیک روی کے خیالات
کا مرکز انسان کا دماغ ہے۔ جب بھی دماغ فاسدانہ خیالات کا مرکز بنجاتا ہے۔ تو
اس سے آپ ہی نیک خیالات کے صادر ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔ ایسے دماغ
سے حق تلفی، بیرحمی، شورش پسندی کے جذبات نکلا کرتے ہیں یہ سب باتیں
ایک نامعلوم طریقہ سے واقع ہوتی رہتی ہیں اور ہم نہیں سمجھتے کہ ہم خود بخود بدی
کی جانب کیوں راغب ہو رہے ہیں۔ امن وچین دل سے غائب ہو جاتا ہے
اور خود کو بھی اپنی حالت نہایت پریشان معلوم ہوتی ہے۔ دنیا میں بہت سے جھگڑے
ایسے رہنماؤں اور لیڈروں نے پیدا کئے ہیں جو دوسرے اشخاص کو وہ حقوق
دینے کے لیے تیار نہیں جنھیں وہ خود اپنے لیے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ مذہبیت کا
تقاضا ہے کہ ہر ایک انسان کے ساتھ رحم اور انصاف سے برتاؤ کیا جائے۔ اور اس
کو اس کی حیثیت اور قابلیت کے مطابق دیا جائے۔ چنانچہ دنیا میں جتنے اعلےٰ
درجہ کے عالم ہوئے ہیں وہ ہمیشہ "خود زندہ رہو اور دوسروں کو زندہ رہنے دو"
کے اصول پر عمل کرتے آئے ہیں۔ یہ ہی صحیح خیالی ہے۔ رحم سب نیکیوں کی بنیاد
ہے۔ دوسروں کے ساتھ مروت اور ہمدردی سے پیش آنا۔ انصاف سے کام
لینا۔ بدکاری وچوری سے پرہیز کرنا اپنے نفس پر غالب رہنا ہی سچی ہمدردی ہے

جو شخص دوسروں میں اپنے آپ کو اور اپنے آپ میں دوسروں کو دیکھتا ہے اُسے کسی سے خوف و ہراس پیدا نہیں ہوتا۔ یہی معصومیت کا معراج ہے۔ ہماری زندگی دوسروں کے ساتھ اسقدر وابستہ ہے کہ ہم دوسروں کو چھوڑ کر خود آرام سے نہیں رہ سکتے۔ دنیا کے تاریخی واقعات غور سے پڑھکر معلوم ہوگا کہ باعزت و بلند مرتبہ وہی ہستیاں ہوئی ہیں جنھوں نے دوسروں کو زندہ رہنے کا طریقہ بتلایا ہے۔ اور اُن کے لیے زندہ رہنے کے سامان پیدا کئے ہیں۔ مہاتما بدھ کا قول ہے کہ جو کوئی شخص نیتی پر ودھ سے متاثر ہو کر کوئی کلام یا عمل کرتا ہے تو دکھ اُس کے پیچھے پیچھے آتا ہے۔ جیسے گاڑی کا پہیہ بیل کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ زمانہ ہر ایک شخص کو اس کا حق ادا کرتا ہے۔ جو لوگ اتحاد اور اخلاق کو اپنی زندگی کا معراج بناتے ہیں دنیا کے حافظہ سے فراموش نہیں ہوتے ہیں۔ زندگی کی باہمی کشمکش میں اعتماد و اتحاد ہی آخر میں بازی لیجاتے ہیں۔ صحیح حکومت اپنا قانون۔ اعتدال ہمیشہ قائم رکھتی ہے ویسے ہی قدرت اپنا اصول اور اقتدار قائم رکھتی ہے جو لوگ دنیا کا امن بگاڑتے ہیں وہ خود بھی آرام نہیں پاتے ہیں۔ جن لوگوں میں سچائی اور اعتبار نہیں اُن میں شرارت مکاری اور فریب چھپے رہتے ہیں۔ قدرت میں نہ کوئی برائی آج تک چھپی ہے نہ چھپے گی اور نہ چھپ سکتی ہے۔ دنیا ایک شیشہ ہے اس میں بدخیالی سطح پر منعکس ہوتی ہے اور اسی وقت سے باہمی اعتبار و

محبت دور ہو جاتی ہے اور آپس میں ایک خلیج واقعہ ہو جاتی ہے جسے عبور کرنا مشکل ہو جاتا ہے اعتماد ہی ایک اکسیر ہے جو دنیا کی تمام تکالیف کا صحیح علاج پیش کرتی ہے۔ اعتماد کے اصول جسقدر ہمارے ملک میں تھے وہ دوسرے ممالک میں تفصیلی طور پر نہیں پائے جاتے تھے۔ جوں جوں ظاہری اخلاق زیادہ بڑھتا گیا صحیح معنی میں اتحاد کا جزو روزمرہ کی زندگی میں کم رہ گیا۔ نباتاتی اور حیوانی زندگی پر اگر غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ ہمارا نباتات سے اور نباتات کا ہم سے اسقدر اتحاد ہے کہ ہم ان کی نکالی ہوئی ہوا سے زندہ رہتے ہیں۔ اور وہ ہماری نکلی ہوئی سانس سے قائم رہتے ہیں۔ ہم میں اسقدر تسلسل ہے کہ بغیر اس تسلسل کے سلسلہ زندگی قائم نہیں رہ سکتا قطرات سے سمندر ہے گویا سمندر قطرات کا مجموعہ ہے۔ جیسے ہمارے جسم کے مختلف اعضاء اپنا اپنا کام علیحدہ کرتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں اور جسوقت علیحدہ ہونے کی کوشش کریں تو اعصابی نظام درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً اگر منہ کھانے کا فعل ترک کر دے یا معدہ غذا کو قبول کرنا چھوڑ دے تو یہ جسمانی مشین بالکل معطل ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر عضو دوسرے عضو کا محتاج اور شریک ہے۔ جسم کو ہم اپنا کہتے ہیں فی الواقع سب کا ہے اور سب کے جسم میں ہم شریک کار ہیں۔ سات برس کے اندر ہمارے جسم کے اندر ایسی ردوبدل ہو جاتی ہے کہ دوسروں کے اثرات سے ہم متاثر ہوتے ہیں

اور دوسرے ہمارے اثرات سے۔ تسلسل میں تبدیلی اور تبدیلی میں تسلسل اس قدر ہے کہ ہماری وابستگی ایک دوسرے سے وہی اتصال لئے ہوئے ہے جسکو چھوڑنے سے قدرتی زندگی غیر قدرتی ہو کر باہمی شر و فساد ہوتی ہے۔ تسلسل میں تبدیلی اور تبدیلی میں تسلسل کی کھلی ہوئی مثالیں دو صورتوں میں ملتی ہیں ایک ہمارے سونے کی حالت میں اور دوسری بچپن سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے میں پہنچنے کی ہے۔ سونے کی حالت میں بادشاہ فقیر امیر غریب سب کو ایک ہی احساس ہوتا ہے آنکھ کھلنے پر اختلاف خیال ہوتا ہے۔ بچہ کا جسم بڑھاپے میں وہی بچپن کا جسم اسقدر تبدیلی لیے ہوتا ہے جس میں باوجود اسقدر تبدیلی و تغیر کے کچھ پرانا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ ایسے اچنبھے کی دنیا میں دوسروں سے نفرت کرنا گویا خود سے نفرت کرنا ہے۔ پریم ہی دنیا میں سب طاقتوں سے بڑی طاقت ہے۔ عیسیٰ مسیح کا قول ہے کہ جو اپنے ہمسایہ کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے وہ مثل اس قاتل کے ہے جو مقتول کو مارتا ہے۔ ہمارے اوپر غصہ، غرور، حسد، حرص کا بھوت جب سوار ہو جاتا ہے تب ہم ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں چوری کرتے ہیں اور قتل کرتے ہیں۔ جب ایسے آدمی کسی سوسائٹی میں کثرت سے ہو جاتے ہیں تب ہی ان کو خیال ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی آدمی ہماری نگرانی کرے یا ہم پر حکومت کرے یا ہم کو صحیح راستہ بتا دے۔ غالباً اسی خیال

کو ہے کہ حکومت کا خیال کسی سوسائٹی کو ابتدائی ہوا ہوگا۔ ہزاروں آدمیوں
کے خیال ہزاروں لاکھوں کے جذبات ایک حکمراں کے ساتھ ہوا کرتے ہیں
حکمراں کی پرستش ماں باپ کی عزت اور استادوں کی خدمت باہمی
اتحاد کا خیال وعزت جب حکومت کے ذریعہ سے قائم ہو جاتا ہے
تب قوم ایک دل ہو کر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے بھی اپنی اخلاقی
اور تمدنی حالت اچھی بنا سکتی ہے جب تک ہم میں باہمی اتحاد نہ ہوگا تب
تک حکومت بھی ہماری اصلاح نہیں کر سکتی۔

باب چہارم

فرائض انسانی، اقتدارِ حکومت، احسانات گورنمنٹ برطانیہ

فرائض انسانی

اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب تک ہماری ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں اور ہمارے متعلقین کے لیے کھانے پینے اور رہنے کا سامان بہ آسایش میسر ہے تب تک ہم اپنے لیے خوش قسمت سمجھتے ہیں اور افلاس کی حالت میں بھی روکھی سوکھی کھا کر پھٹے

پورانے کپڑے پہنکر اپنے بیوی بچوں میں مست رہتے ہیں۔ بہت سے بد قسمت غریب ایسے بھی ہیں جو بیماری اور تنگدستی کے ہاتھوں پریشان ہو کر دن رات دوڑ دھوپ کرتے ہیں اور اپنی قسمت کو روتے ہوئے اسی حالت میں گھرے رہتے ہیں۔ سکھی، دکھی، مالدار اور غریب اس دنیا کے چکر میں پھنسکر اپنی زندگی گذار رہے ہیں۔ بہت کم آدمی دنیا کے تغیرات پر غور کرتے ہیں۔ ہم کو یہ سوچنا چاہیے کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا اس دنیا سے کیا تعلق ہے، دنیا میں اس قدر تغیرات کیوں ہیں۔ اس کا بنانے والا کون ہے، کوئی غریب ہے، کوئی مالدار ہے، کوئی خود مختار ہے، کوئی مقید ہے، کبھی سردی ہوتی ہے کبھی گرمی۔ کبھی سیلاب آتا ہے کبھی خشکی۔ جو بات آج ہے وہ کل نہیں۔ ایک بات اگر آج بھلی لگتی ہے تو کل بری، ان تمام باتوں پر غور کرنے کا شوق و تجسس ہونا چاہیے کہ دنیا میں کہاں پر سچائی اور استقلال ہے اس کی جانچ کے لیے جب تک ہم خود صحیح نہیں ہونگے۔ کوئی نتیجہ خیز جانچ نہیں کر سکتے۔ اسلیئے ہمارا سب سے پہلا اور ضروری فرض اپنے آپ کو صحیح کر کے روحانیت کی ترقی کرنا ہے۔ ہمارا دوسرا فرض دوسروں کے ساتھ ہمنسی خوشی محبت اور سچائی کے ساتھ برتاؤ کرنا ہے۔ اپنے بزرگوں اور استادوں کے ساتھ ادب سے پیش آنا۔ بادشاہ وقت کے ساتھ وفاداری۔ اپنے سے چھوٹوں

کے ساتھ محبت اور نرمی۔ برابر والوں کے ساتھ خلوص اور ہمدردی اور اپنے سے پیچھے رہنے والوں کے ساتھ رحم کرنا چاہئے۔ اس فرض کو ادا کرنے کے لیے ہمارا دوسرا فرض یہ ضرور ہوگا کہ ہم اپنے جسم اور دماغ کو صحیح اور مضبوط بنائیں کیونکہ ہماری روح تندرست جسم اور دماغ کے ساتھ رہ کر دنیا کے ڈرامہ میں اپنا پارٹ اچھی طرح کھیل سکتی ہے۔ جسم کو اچھی غذاؤں سے مضبوط بنا کر محنتی بنانا۔ بیماری سے بچا کر حفاظت سے رکھنا بھی نہایت ضروری ہے ایسا نہ کرنے سے نہ روزمرہ کا کام کر سکتے ہیں نہ عبادت، ہمارا تیسرا فرض اُن لوگوں کے ساتھ ہے کہ جن کا تعلق ہماری ذات سے بہت قریب ہے ان میں سب سے پہلا تعلق ماں باپ سے ہے۔ ان کی خدمت، عزت کرنا اور اپنے طریقہ چال وچلن سے ان کو خوش رکھنا اپنا فرض ہے۔ دوسرا نمبر بیوی بچوں کا ہے۔ ان کی صحیح پرورش اور صحیح تعلیم دینے کے لیے ہم کو ہر امکانی کوشش کرنا چاہئے۔ تیسرے نمبر پر دوست احباب اور خاندانی لوگ ہیں۔

موجودہ زمانہ میں دیکھا جاتا ہے کہ ہماری سوسائٹی میں استریوں کی وہ وقعت نہیں ہے جیسی کہ ہونی چاہئے۔ بھوک، پیاس، کام، کرودھ، شوک، موہ، راگ، دویش، سکھ، دکھ، سرد، گرم، مان آپ مان کی تکلیف جیسی مردوں کو ہوتی ہے ویسی ہی عورتوں کو۔

عورتوں کو بھی اپنی تہذیب التعلیم، فرائض منصبی ایسے ہی سمجھنا چاہئیں جیسے
کہ مرد سمجھتے ہیں۔ دنیا کی ترقی میں عورتوں کی امداد کے بغیر تنہا مرد کوئی ترقی
نہیں کر سکتے۔ مردوں اور عورتوں کا چوتھا فرض اپنے سماج یعنی سوسائٹی
کی اصلاح و درستی ہے۔ سوسائٹی حقیقت میں اُن ہی مرد اور عورتوں
کے مجموعہ کا نام ہے۔ جسکی طرف ہمارا پہلا فرض یہ ہوگا کہ ہم اپنے پرانے
اخلاقی اصول کو خراب نہ ہونے دیں۔ مجموعی طور پر بھی ہم کو ایسی غلط فہمیوں
میں نہ پڑنا چاہیے جو ہم کو پرانے اصول سے گراتی ہو۔ صحیح طریقہ زندگی
وہی طریقہ ہے جو ہمیں ہمارے چاروں قسم کے متذکرہ بالا فرائض کی ادائیگی
میں مدد دیتا ہو۔ جب تک ہم میں استقلال، جوش، سچائی، صدق دلی
واقفیت، قومیت، ہمدردی، خیرخواہی، قوت امتیازی، خاکساری
نہیں ہوگی۔ ہم انسانی فرائض کی ادائیگی کے کسی درجے تک اہل ہو سکتے
اپنی بیکار سونا اپنی نیند اٹھ بیٹھنا، جو چاہے سو کرنا، بدلوح ملک اور رسم
قوم کو چھوڑ دینا۔ قانونی حکومت سے روگردانی کرنا، احکام خداہی کو
چھوڑ دینا، شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ دینا یہ فرائض انسانی کے منافی
ہیں۔ صرف مارنے سے نہ ڈرنا۔ دوسروں کو اپنی طبیعت کے مطابق چلنے
پر مجبور کرنا۔ نفرت آمیز تبصرے لگانا۔ شرافت انسانی سے بعید باتیں
ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے وہ بات بات کا پابند اور حرام و حلال

بندشوں میں گرفتار رہے۔ مثلاً پیغمبر خطا ؤں سے آزاد ہیں مگر خدا کے خوف سے غافل نہیں۔ اگر خدا کا خوف نہ مانا جائے گا تو بندہ فرمانبردار نہیں ہو سکتا۔ ہم میں سے بہت سے آزادی آزادی پکار رہے ہیں۔ جو لوگ آزادی پکار رہے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کونسی آزادی کے خواہاں ہیں۔ اگر حکومت سے آزاد ہونا چاہتے ہیں تو انتظام ملک اور امن و امان کا کونسا راستہ بتلاتے ہیں۔ اگر قانون سے آزادی چاہتے ہیں تو غیر آئینی سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ مذہب و ملت سے آزاد ہونا چاہتے ہیں تو کون سے راستے سے خدا کو پہچان سکتے ہیں۔ رسم و رواج ملکی سے آزاد ہونا چاہتے ہیں تو کون سے ملک میں آباد ہونا چاہتے ہیں۔ قوموں اور گروہوں سے آزاد رہنا چاہتے ہیں تو کن لوگوں میں مل جل کر بسر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے تو آزاد فقیروں کو بھی مرشد کا پابند پایا۔ اور مجاوروں کو بھی پابند تو حید دیکھا۔

کہ کرد قطع تعلق کدام ست آزاد   بپیوند ز انہہ پا خاطر گرفتار است

پابندی تسلیم اور رضا سکھاتی ہے سرکشی اور خودسری سے بچاتی ہے تکبر اور غرور سے محفوظ رکھتی ہے۔ ہمدردی سکھاتی ہے۔ رحم کی عادت ڈالتی ہے۔ فرمانبرداری کا خوگر بناتی ہے۔ غرضکہ جسقدر عمدہ صفتیں اور اخلاقی خوبیاں ہیں وہ سب پابندی سے ظہور میں آتی ہیں۔ اسلیے ہمارا اپنے

آپ کو بندہ فرمانبردار۔ بے عذر فرماں پذیر سمجھ کر انکساری کو اپنا رہبر بنا کر سرِ تسلیم جھکا کر شاہی فرمان کو بلا حجت بجا لانا چاہیے۔

اقتدارِ حکومت

حکومت اور قدرت اپنا اعتدال اور اقتدار مخالفت میں بھی قائم رکھ سکتی ہے

قدرت میں جو چیز ناکارہ ہو جاتی ہے یا قدرتی اصول کی مخالفت کرتی ہے وہ چیز فنا ہو کر زمین میں مل جاتی ہے اور اس کی گرد سے قدرت نئی چیز پیدا کر دیتی ہے۔ حکومت کے خلاف چلنے والے لوگوں کا بھی یہی حشر ہوتا ہے۔ حکومت کا فرض محکوم کو صحیح بنانے کا بھی ہے۔ ہر ملک کا جغرافیہ، طبعی واقعات، رسم و رواج، تعلیمی اقتصادی صورتیں حکومت کی بناوٹ پر اثر ڈالتی ہیں۔ ہمارے ملک کا جغرافیہ، طریق معاشرت دنیا کے اور ملکوں سے بہت مختلف ہے۔ اس ملک کا انداز حکومت ہمیشہ سے فرمانروائی اور فرمانبرداری پر ہی رہا ہے۔ زمانہ حال کی وسعت خیالی ہمیں موثر کر رہی ہے۔ یا یوں کہیے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اثر پذیر ہیں۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے نہ ہم موثر ہوئے ہیں اور نہ اثر پذیر ہونے کی قابلیت ہے۔ یورپ کا ستارہ اوج پر ہے ہم اس کی تقلید نہیں کر سکتے۔ جیسا وہ سکھاتے ہیں ویسا البتہ سیکھ سکتے ہیں۔ ہندوستانی سوسائٹی کا چرخہ اس قدر چرخ چوں ہے کہ اس کے کسی کونہ

ہیں ابھی تک وہ احساسات و جذبات و ایثار نہیں پائے جاتے کہ جو دوسرے ملکوں میں موجود ہیں۔

ہمارے یہاں اخلاقی شعار کی جسقدر ضرورت ہے ملکی شعار کی اتنی حاجت نہیں۔ موجودہ حکومت کے دیئے ہوئے پر قناعت اور اپنے حکمرانوں کے وعدے پر اعتبار ہی ہمارے لیے صحیح راستہ پہنچا دیگا

شاہی حکم کو قانون کہتے ہیں جیسے بادشاہ کی عزت کرنا لازم ہے ویسے ہی اس کے احکام قابل وقعت ہیں۔ قانون کے ذریعہ سے ملک کے باشندگان کے حقوق کی حدود قائم ہوتی ہیں۔ اس کا مقصد امن و امان قائم رکھنا ہے۔ سوسائٹی میں شیرازہ بندی مخلوق خدا میں اعلیٰ ترین اخلاق اور نظام قائم رکھنا۔ اس پر عمل کرنے سے سوسائٹی اور ملک ترقی کرسکتا ہے۔ سلطنت برطانیہ کا قانون تمام دنیا میں مشہور ہے۔ ملک کے قانون توڑنے کا جذبہ پیدا کرنے کے نتائج بہت بھیانک تباہ کن اور روح فرسا ہیں۔ ملک کا قانون توڑنا۔ حکومت کو بگاڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی پل کے کھمبوں کو نکال دینا۔ کسی مکان کی دیواروں کو کھود ڈالنا۔ کسی خیمہ کی چوبوں کو اکھاڑ ڈالنے سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں، بالکل وہی قانون شکنی سے نمودار ہوں گے۔ بداخلاقی پورے طور سے بیداں میں آکر ہنگامہ برپا کرے گی۔ قانون شکن طبائع کو

پھر قانون پر عمل در آمد کرنا مشکل ہو گا۔ بادشاہ خدا کا سایہ ہے۔ اوس کی اطاعت کرنا ہمارا فرض ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے حکومت عطا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ اُس کی قدرت میں ہر چیز ہے۔ فتنہ و فساد پیدا کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا۔ بادشاہ کسی ملت کا ہو اُس کی اطاعت کرنا ہمارا فرض ہے۔ بادشاہ کے خلاف بغاوت کرنا پرماتما کے خلاف بغاوت کرنا ہے۔ بادشاہ انسانی شکل میں خدا کا مظہر ہے۔ ویدوں میں بادشاہ کا مرتبہ خدا کے بعد قرار دیا گیا ہے جو شخص بادشاہ اور اُس کی حکومت کو تکلیف دیتے ہیں وہ یہاں بھی تکلیف اُٹھاتے ہیں اور دوسری دنیا میں بھی تکلیف اُٹھائیں گے۔

احسانات گورنمنٹ برطانیہ

مہابھارت کے بعد ہندوستان کا ستارہ معرض زوال میں آیا۔ پھر بھی ایک زیادہ عرصہ تک ہندو راجگان حکومت کرتے رہے جن میں سے بعض بعض راجہ ایسے جلیل القدر گزرے ہیں کہ جن کے کارناموں سے تاریخ کے صفحات ہنوز درخشاں ہیں۔ مہابھارت کے زمانہ کو پانچ ہزار برس سے کچھ زیادہ مدت گزری ہے۔ راجہ پرودا اور پرتھی راج کے زمانہ سے ہندوستان پر غزنی سے حملے شروع ہو گئے۔ اور انگریزوں کے آنے سے پہلے ۷۰۰ برس تک اس ملک پر بیرونی حکمران حکومت

کرتے رہے۔ اور اکثر تمام ملک میں طوائف الملوکی کی حالت رہی۔ جب برطانوی قوم ہندوستان میں آئی تو اس وقت مغلیہ راج کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ دلّی کے مغلیہ فرمانروا محض شاہ شطرنج تھے بڑے بڑے صوبوں پر مرہٹے، راجپوت اور خود سلطنت مغلیہ کے صوبیدار خود مختار حکمران تھے۔ اس زمانہ میں زندگی پر امن نہیں تھی۔ نہ کوئی سلسلہ تعلیم ملک میں تھا۔ نہ وسائل آمد و رفت تھے۔ نہ شفا خانے تھے نہ حفظان صحت کا کوئی ادارہ تھا۔ صرف قومی وجود نظر آتا تھا۔ ملک بدامنی کے سیلاب میں بہا جا رہا تھا۔ اس وقت ہماری حفاظت کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسران دوربین نے ہماری مدد کی۔ باشندگان نے ایسٹ انڈیا کمپنی کا خیر مقدم کیا۔ اور کمپنی کے راج نے ہندوستان میں بدامنی اور خانہ جنگی کے دور کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں کچھ حصہ ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ اس کے بعد سنہ ۱۸۵۸ء میں پارلیمنٹ کے قانون کی رو سے ہندوستان کی حکومت انگلستان کے شاہی خاندان میں آئی۔ اور مہارانی ملکہ وکٹوریہ آنجہانی سب سے پہلی فرمانروائے ہندوستان انگلینڈ کے شاہی خاندان سے ہوئیں۔ موجودہ بادشاہ سلامت شہنشاہ جارج پنجم ہمارے تیسرے شہنشاہ ہیں جنکو حکومت کرتے ہوتے قریب بائیس سال کے ہوتے ہیں۔ ان سے پیشتر مہارانی

وکٹوریہ کے بڑے شاہزادے مہاراج ایڈورڈ ہفتم دس گیارہ سال تک ہمارے حکمراں رہے غرضکہ تاج برطانیہ کا سایہ ہمارے اوپر ۷۴ سال سے ہے اس دوران میں ہندوستان نے جو ترقی کی ہے وہ دنیا کے سامنے ایک تعجب انگیز کرشمہ ہے۔

برٹش گورنمنٹ کا دور حکومت پانچ لاکھ مواضعات پر ہے۔ جو ۱۲ صوبوں میں ہیں۔ اور یہ ⅔ ہندوستان برٹش ہند ہے باقی ⅓ حصہ ہندوستانی حکمرانوں کے تحت میں ہے۔

موجودہ ہندوستان کا موازنہ اگر سن ۱۸۰۱عیسوی والے ہندوستان سے کیا جائے تو اس زمانہ کو ملک کی ظاہری شکل وصورت یہ ہوگی۔ کہ ہزاروں مربع میل زمین غیر آباد جنگل تھی۔ چھوٹی چھوٹی بستیاں جابجا آباد تھیں۔ نہ سڑکیں تھیں نہ ریل۔ نہ ڈاک خانے نہ تارگھر۔ نہ ٹیلیفون، شفاخانے، درسگاہیں، عدالتیں اس زمانے میں نہیں تھیں۔ دریاؤں پر کشتیاں چلتی تھیں نہ پل تھے نہ جہاز تھے۔ اس زمانہ کے بیوپاری اور جاتری لوگ جو تیرتھوں کو جاتے تھے وہ گویا دوسری دنیا کے سفر کی تیاری کرکے جاتے تھے۔ ہزاروں آدمی راستے میں مرجاتے تھے۔ لشکری ہندوستان تھا۔ اور فوج کے ذریعہ حکومت ہوتی تھی۔ بغیر قافلہ کے تنہا مسافر سفر نہیں کرسکتا تھا۔ راستے

خواب ستھے، تعلیم پسِ تم کا دور تھا۔ آبادی کا اوسط مردم شماری سنہ ۱۸۰۱ء میں اب سے آدھے سے کچھ زائد تھا۔ برعکس اس کے بیسویں صدی کے شروع میں ہم موجودہ ہندوستان میں ۳۵ کروڑ ایکٹر مزروعہ رقبہ پاتے ہیں۔ بعض بعض مقامات پر جدید طریقہ کاشت پر کاشت ہو رہی ہے جو پھل اور ترکاریاں اٹھارہویں صدی میں میسر نہ تھیں وہ آج گھر گھر موجود ہیں۔ محکمہ جنگلات کے افسران نے جنگلات موجودہ میں بڑی نمایاں ترقی کر کے جنگلات کو مفید اور کار آمد بنا دیا ہے۔ اب جنگلات محض درندوں کے مسکن نہیں رہے۔ لکڑی کے کارخانے، کوئلہ، کتھ کے کارخانے ان جنگلات سے جاری ہیں۔ موجودہ حکومت میں ساٹھ ہزار میل پختہ و خام سڑک برٹش ہندوستان میں موجود ہے۔ ہزاروں میل ریل گاڑی چلتی ہے جو ہفتوں کے سفر کو منٹوں میں طے کرتی ہے۔ لاکھوں موٹر اور ہزاروں لاریاں پختہ و خام سڑکوں پر چلتی ہیں۔ سائیکل اور موٹر سائیکل بجائے پالکی، بہلی اور شتر گاڑی کے ہر حصہ ملک میں پائی جاتی ہیں۔ برٹش انڈیا میں (۲۱۰۸۵۳) مدرسے و درسگاہیں ہیں جن میں (۱۸) بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہیں اور (۲۴۱) بڑے بڑے کالج ہیں۔ (۲۴۳۸۴) ہائی اسکول ہیں (۱۲۰۰۰۰۰۰) سے زائد طالب علم ان درسگاہوں میں اب تعلیم پاتے ہیں۔ سنہ ۱۸۸۱ء کے بعد سے قصبہ جات اور شہروں میں نمایاں

ترقی ہوئی۔ میونسپلٹی، ٹاؤن ایریا۔ نوٹیفائڈ ایریا بڑے بڑے شہر اور بڑے بڑے قصبے میں بالترتیب ہیں۔ دس ہزار یا اس کی اوپر کی آبادی کی بستیاں میونسپلٹیاں کہلاتی ہیں۔ اور اس سے کم آبادی کی نوٹیفائڈ ایریا پانچ ہزار یا اس سے کچھ کم کی آبادی کے مقامات ٹاؤن ایریا ہیں۔ جن کے انتظام صفائی، روشنی، بازار و سٹرک مقامی پنچائتیں اور میونسپلٹیاں اپنے اپنے چنے ہوئے نمائندوں کے ذریعہ سے کر رہی ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جو ترقی اس صیغہ میں ہوئی وہ اس قدر بڑی ترقی ہے جس کا کوئی مقابلہ اٹھارہویں صدی کے زمانہ سے کرنا ممکن نہیں۔ ہمارا صوبہ ۵۰۰ میل لمبا اور ۲۰۰ میل چوڑا ہے۔ جس میں ۴۸ ضلع اور چار کرور اسی لاکھ کی قریب آبادی ہے۔ ہر ضلع میں عدالت ہائے مال و فوجداری و دیوانی موجود ہیں۔ اور ہر ضلع کا چارج بڑے بڑے معزز قابل افسران کے تحت میں ہے۔ ان عدالتوں کے فیصلے جات کی اپیل کے لیے عدالت ہائے کمشنری۔ بورڈ۔ ہائیکورٹ موجود ہیں۔ چھوٹے چھوٹے معاملات کے تصفیہ کے لیے گاؤں گاؤں پنچائتیں قائم کر دی گئی ہیں۔ پرانی تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کے کسی نہ کسی حصہ میں ہر دسویں سال چھوٹا قحط اور ہر چالیسویں سال بڑا قحط پڑتا تھا جس سے لاکھوں جانیں ضائع ہوتی تھیں۔ موجودہ زمانہ میں ذرائع آمدورفت و محکمہ زراعت و حکومت

سے نے جو سہولتیں قحط زدوں کو پہنچائی ہیں۔ وہ اظہر من الشمس ہیں آبپاشی
کے وسائل بذریعہ نہر و چاہات بکثرت ہیں۔ اور بعض بعض اضلاع
نہروں کی بدولت بڑے مالدار ہوگئے ہیں۔ وسائل آبپاشی نے قحط
کے خطرات میں بہت کمی کردی ہے۔ مویشی شفاخانہ جات کی موجودگی
نے امراض مویشی کے پھیلنے میں بڑی روک تھام کی ہے انیسویں
صدی کے لوگ مویشی کے امراض کو باوا اجے پال کی خفگی کا باعث
سمجھتے تھے اور خراب پانی خراب چارہ جو مویشیوں کو ملتا تھا اُس
کی اصلاح کی طرف اور ادویات کی طرف تو اُن کا دھیان بھی نہیں
جاتا تھا چیچک کی بیماری و بار عام تھی۔ یہ ماتا کی بیماری سمجھی جاتی تھی
[illegible] مرض کو چھوت پربت کی چال سمجھتے تھے۔ غرضکہ بجائے
حکیم اور ڈاکٹروں کے ہر گاؤں میں سیانے اور بھگت مخلوق خدا کو
دھوکا دیتے اور لوٹتے تھے۔ جانوروں کا رکھ رکھاؤ اب پہلے سے
بہت اچھا ہے۔ بڑے مقاموں پر سنہ ۱۸۹۰ء کے بعد سے یورپین اصول
پر ڈیری فارم بھی کھولے گئے ہیں جن میں مکھن اور گھی نئے طریقہ پر [illegible]
مشینوں سے نکالا جاتا ہے۔ غریب کاشتکاروں کی امداد کے لیے
تقاوی اور کوآپریٹو بنک قائم ہیں۔ کاشتکاروں کو سودخوروں کے ہاتھ
سے بچانے کے لیے آئینی امداد ملنے کی اُمید ہے اور یہ [illegible]

زیر غور ہے جس قدر ذرائع آمد و رفت بذریعہ ریل، سٹرک، لاری، موٹر و ہوائی جہاز ۲۷ برس کے اندر بڑھے ہیں۔ اُسی طور پر مردم شماری بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ اب ملک میں تہذیب ہے۔ تعلیم ہے۔ اخباری دنیا ایک نئی دنیا ہے۔ تار گھر ٹیلیفون گھر بیٹھے ہزاروں میل کی باتیں منٹوں میں سناتے ہیں۔ غرضکہ ہماری تہذیب مغربی تہذیب کے زیر سایہ اسقدر بڑھ چڑھ گئی ہے کہ اب ہمیں اپنا خیال آیا اور اپنے محسن سے بحث کرنے کی جرأت ہوگئی۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ خیال سوتے سے جاگنے کا ہمیں برطانوی تہذیب ہی نے سکھایا۔ اور اس کے سایہ میں وہ کر برٹش قوم کی روشن خیالی اور وسعت نظری ہم سیکھ سکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے ہماری معیار زندگی میں اضافہ ہوگا۔ اور مختلف طبقات آبادی کے ربط و ضبط بڑھ جائے گا۔ جتنا طریقہ زندگی ہمارا صحیح ہوتا جائیگا اُسی کے موافق طرز حکومت ہماری منشا کے مطابق ہوتا جائے گا۔ سیاسی میدان میں ہم دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اور نہ دو جدا جدا اصولوں پر قدم رکھکر کامیاب ہو سکتے ہیں۔

باب پنجم

کرم بدھی پراربدھ مضر اثرات

عدم ادائے ٹکس و پکٹینگ

وہ چال چل کہ فرق نہ آئے وقار میں
وہ کام کر کہ یاد رہے روزگار میں

یہ بات سب کو تسلیم ہے کہ انسان اپنے افعال کا جوابدہ ہے اس مسئلہ پر بڑے بڑے فلاسفروں اور محققین نے کتابیں لکھی ہیں ہمارے سامنے اپنے افعال کی جانچ کے لیے صرف ایک ہی سوال آتا ہے کہ کون سا کام اچھا ہے اور کون برا ہے۔ بعض بعض ایسے نازک موقع ہنگام زندگی میں پیش آتے ہیں جن پر یہ جاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سا کام کرنا چاہیے اور کون سا نہیں؟ مثلاً انگریزی کے مشہور ڈرامانویس

شکسپیر نے ہملٹ کا ڈراما لکھا ہے۔ اس کے قصہ کو پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ڈنمارک دیش کے مشہور شہزادے ہملٹ کے چچا نے اپنے بھائی یعنی ہملٹ کے باپ کو مار ڈالا۔ اور ہملٹ کی ماں کو اپنی بیوی بنالیا۔ تب اس راج کمار کے من میں یہ جھگڑا پیدا ہوا کہ ایسے پاپی چچا کو مار کر اپنے باپ کا بدلہ لوں یا اپنے حقیقی چچا اور سوتیلے باپ اور گدی پر بیٹھے ہوئے راجہ کی اطاعت کروں اس سوچ میں پڑ جانے کی وجہ سے شہزادے ہملٹ کی جو حالت ہوئی ہے وہ ڈراما مذکور کے پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے شہزادہ ہملٹ یہ کہتے کہتے پاگل ہوگیا کہ زندہ رہوں یا مر جاؤں۔ یہ بات بڑی اونچی ہے۔ ہمارے لیے اتنے گہرے پانی میں جانے کی ضرورت بھی نہیں۔ ہم کو ہر کام کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے جانچ کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ بشرطیکہ ہم اپنے اچھے اصولوں کے مطابق اپنی عادت بنالیں۔ ہر مذہب میں ایسے اصول پائے جاتے ہیں جو ہم کو پابند کرتے ہیں۔ کہ کسی کو نقصان نہ پہنچاؤ چوری نہ کرو۔ قانون کے اندر رہو۔ سچ بولو۔ بزرگوں اور حکام کی اطاعت کرو۔ لیکن (یہ کروں یا وہ کروں) اس فکر میں پڑ کر آدمی پاگل ہو جاتے ہیں۔ پروفیسر جان اسٹوارٹ مل کا قول ہے کہ۔

"وہی کام دنیا میں سب سے اچھا ہے جس کام سے بہت سے لوگوں کو آرام پہنچے"

ہماری روزمرہ کی زندگی کے لیے وہی کام اچھا ہوگا جو ہمیں پر امن خوش اور تندرست رکھ سکے۔ زندگی کا ماحصل کام کرنا ہے اور کام کرنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے۔ سب لوگ ایک ہی کام کو کاروباری زندگی میں انجام نہیں دے سکتے اسلیئے ہماری کاروباری زندگی میں جو جو کام ہم کرتے ہیں اُن کے لیے جدا جدا پابندی اور قانون ہے۔ بغیر پابندی ہمارے افعال مذہب اور قانون سے آزاد ہوں گے۔ مذہب دنیا کا سب سے بڑا راستہ ہے جس پر انسان چل کر اپنی معاشرتی، اخلاقی، تمدنی، زندگی کو سدھارتا ہوا اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہ دیتا ہوا اپنے کمائے ہوئے روپیہ سے اپنی زندگی کو گذارتا ہوا خدا شناسی میں مصروف ہو کر قدرت کے بہترین اُصولوں کو اپنا زندگی کا معیار بنائے۔ خود فائدہ رہے اور دوسروں کے لیے مثال قائم کرے جو افعال ایسی زندگی کو پر امن نہ رہنے دیں وہ بدافعال ہی نہیں بلکہ ایسے افعال ہیں جو بدافعالی سے بدتر ہیں۔ اور ہمارے خیال میں لا مذہب افعال ایسے ہی افعال ہوتے ہیں۔

مذہبی یا قدرتی قانون کے ساتھ ساتھ اس کی امداد کے لیے ہر ملک میں اس کے ملکی قانون ہوتے ہیں۔ ملکی قانون کا منشا بھی قریب قریب وہی ہوتا ہے جو قدرتی یا مذہبی قانون کا ہوتا ہے ملکی قانون بھی باشندگان کو بدافعالی سے بچانے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ ملکی قانون کا تقاضہ ہے کہ وہ فرقہ وارانہ مسئلہ کو سطح سہولت پر رکھے، ہر طبقہ میں امن وامان قائم رکھے، سب کے حقوق کی حفاظت کرے۔ نہ یہ کہ وہ ہر شخص کو اس کی مرضی کے مطابق ایک شتر بے مہار بنا دے۔ ہمارا کوئی کام ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ جس سے شیرازہ سوسائٹی کا درہم برہم ہو جاوے۔

ہندی کے دو لفظ "کرم" اور "دھرم" ہیں۔ یہ دونوں ہماری زندگی کے بہت بڑے ستون ہیں۔ اگر ہمارے کرم خراب ہوں اور جس دھرم کی پابندی سے خراب افعال سرزد ہوں۔ تو بالیقین ایسا دھرم صحیح نہیں ہوگا۔

ہم اپنے افعال کو اُن کے آخری نتیجہ سے نہیں جانچ سکتے۔

ہماری زندگی ہمارے افعال کا مجموعہ ہے۔ چونکہ ہم اپنے جملہ افعال کا صحیح محاسبہ نہیں کر سکتے اس لیے ہمیں اپنے بڑوں کی رائے اپنے افعال کی درستی اور غیر درستی کے متعلق ماننا پڑتی ہے۔

اور وہی اس کی اصلاح کر سکتی ہے۔
افعال خراب ہو جانے پر ہماری زندگی کا صحیح راستہ گم ہو جاتا ہے اور بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح ہم کہیں کے کہیں پہنچ کر نہ گھر گرہستی کا ہی کام کر سکتے ہیں اور نہ پڑوسیوں کو مدد دے سکتے ہیں۔ بقول بیکر۔

آوارہ و سرگشتہ ہیں دیوار و در کے
سایہ کی طرح وہ ہیں اِدھر کے نہ اُدھر کے

اس پریشان حالی میں طریق زندگی اور تندرستی ٹھیک نہیں رہتے صحیح دماغ تندرست جسم والے کا ہی ہو سکتا ہے۔ محض سر کے بال سفید ہو جانے سے کوئی شخص بزرگ نہیں ہو سکتا۔

بزرگی بہ عقل است نہ بسال

ہماری زندگی مثل اس لینڈو گاڑی کے ہے جس میں دھرم کرم دو گھوڑے جوڑے ہوئے ہیں۔ جن پر عقل چابک سوار ہے اس کا قانونی راستہ پختہ سڑک ہے اور امن و امان اسکی سواریاں ہیں۔ بد افعال ہونے پر بد عقل ضرور ہو جائیں گے۔ بد عقل کی زندگی میں اگر دولت کی دیوی لکشمی دنیا کا سارا دھن ہماری سپرد کردیں تو اس سرمایہ کا نہ تو صحیح استعمال معلوم ہوگا نہ اس کو صحیح خرچ کر سکیں گے

بہتوں کا خیال ہے کہ کرم اور بدھی کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہیئے۔ تقدیر پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اس خیال سے جو غالباً مہابھارت کے بعد اس ملک میں مقبول ہوا بہت بڑا نقصان پہنچا ہے اس خیال سے متاثر ہو کر ایک شاعر نے کہا ہے۔ ؎

قابلیت، تمکنت، فہم و ذکا و عقل و ہوش
کچھ نہ ہو انسان میں چنگی ہوئی تقدیر ہو

ہماری رائے میں ایسا خیال ہماری زندگی کو مفید نہیں بنا سکتا۔ زندگی کی گاڑی تقدیر کے بل پر نہیں چل سکتی۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ دوسروں کی کمزوری یا اتفاقات ہماری طاقت ہو سکتی ہے لیکن ہمیشہ ہماری طاقت دوسروں کی کمزوری نہیں ہو سکتی جیسا کہ ہم میں خود کچھ طاقت نہ ہو۔ اگر ہماری زندگی کی گاڑی میں غلط گھوڑے لگے ہوئے ہیں۔ ہانکنے والا صحیح نہیں ہے اور پختہ سڑک سے بھٹک گئے ہیں تو ہم اپنی منزل مقصود پر کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ یہ ممکن ہے کہ گاڑی ہماری اٹکی رہے اور راستہ میں ہماری رہائش اور خورونوش کا ٹھیک انتظام ہو جاوے۔ ایسے اتفاقات کو بھی تقدیر نہیں مانا جا سکتا۔

کرم ہین آدمی بدھ ہین ہو جاتا ہے۔ کرم اور بدھی یعنی صحیح افعال اور عقل سلیم کے کاموں کے نتائج کا نام تقدیر ہو سکتا ہے۔ جھاڑ کے درخت

کو اگر سونے کے گملے میں لگایا جاوے اور عرق گلاب سے روزانہ سینچا جاوے پھر بھی اُس میں انجیر پیدا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جھاؤ کا قدرتی فعل پھل پیدا کرنے کا نہیں ہے۔ قسمت بڑھائی نہیں جا سکتی جبکہ کرم اور دھرم یعنی افعال تمیز اور قابلیت میں اضافہ ہو کر ہمارے کرتوت کا دائرہ نہ بڑھ جائے۔

مہا بھارت کے بعد ہندوستان کا طرز معاشرت اندھیرے میں ہو گیا۔ زنانیاں کرم ہین اور دھرم ہین ہو گئیں۔ حادثات زمانہ پر زنانیوں کا فیصلہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جوش زندگی اور قوت مردانہ ختم ہو گئی قحط سالی کے زمانہ میں آسمان کی طرف دیکھ کر اپنی تقدیر کو ٹھونک کر بیٹھ گئے۔ جہالت کو نوشتہ تقدیر مان کر نہ صنعت کی طرف توجہ کی اور نہ حرفت سیکھی، چالاک لوگ کم عقل لوگوں کے کمائے ہوئے دھن سے مالدار اور دھنی بن بیٹھے اور جو زمانہ میں گرے وہ گرتے ہی چلے گئے۔ شکر کا مقام ہے کہ تہذیب برطانیہ نے ہمارے مفلوج اعضاء میں تعلیم و تہذیب کی برقی لہر دوڑائی ہے۔ میدان ترقی سامنے ہے۔ صحیح ساز میں اگر آپ دوڑیں گے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم میدان زندگی کی گھوڑ دوڑ میں اور قوموں سے پیچھے رہ جائیں۔ ہندوستان کا کرم زراعتی ہے۔ اور اس کا دھرم کاشتکاروں و زمینداروں کا صحیح

سازہے اس میں ایک بند بھی ٹوٹ جانے سے یہ گاڑی نہیں چل سکے گی۔ کاشتکاری دنیا میں کاشتکاری کا صحیح کام جس قدر ضروری ہے اُتنا ہی ضروری یہ امر ہے کہ زمیندار کی رضا اور رغبت کے ساتھ اپنی زمین کو "قائم رکھا جاوے۔ زمین کا ٹکس کر یا لگان بغیر دیئے زمین پاس نہیں رہ سکتی۔ بیدخل ہو جائے گی۔ زبردستی قبضہ کرنے سے سزا ہو گی۔ نتیجہ افلاس اور غریبی ہوگا۔ زمین بلا خراج کسی زمانہ میں نہیں رہی۔ بلا خراج لیے کوئی سوسائٹی اپنا شیرازہ حکومت قائم نہیں رکھ سکتی۔ اوّل اوّل جب دنیا نئی تھی اس وقت زمین کا پیداوار سولہ فیصدی شاہی خراج میں جاتا تھا۔ راجہ بھوج کے زمانہ میں ۲ فیصدی حصہ پیداوار کا شاہی خراج تھا۔ چندر گپت موریہ کے زمانہ میں ۲۵ فیصدی مغلیہ زمانہ میں نصفا نصف کے قریب مختلف صورتوں میں حصہ خراج تھا۔ موجودہ سلطنت کاشتکاروں سے براہ راست خراج یا کر نہیں لیتی ہے۔ بلکہ کاشتکاروں اور زمینداروں کا سہارہ قائم رکھتے ہوئے زمینداروں کی آمدنی میں سے ۴۰ یا ۴۵ فیصدی مالگذاری لیتی ہے۔ صوبہ ہذا میں کاشتکاروں کی تعداد پچاس اور ساٹھ لاکھ کے درمیان ہے۔ ۹۵ فیصدی لگان بصورت نقدی ادا کیا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے کاشتکاروں کی آمدنی کی جانچ کی ہے

اُن کا خیال ہے کہ کاشتکاران کو بالعموم اپنے پیدا کیے ہوئے اجناس میں سے
½ حصہ سے زائد زمینداران کو لگانی قیمت میں ادا نہیں کرنا پڑتا۔ یہی
ہمارا خیال ہے کہ کاشتکاروں کی پیداوار میں سے ⅓ حصہ اُن کو بچ رہتا
ہے۔ بیس بیگہ کا کاشتکار ایک ہل اور ایک جوڑہ بیلوں کا خرچ اُٹھانے
کے بعد بچی اپنی زندگی معہ ایک بیوی اور دو بچوں کے بسر کر سکتا ہے
لگان اور صرفہ کاشت نکال کر اس کی آمدنی ماہواری دس یا بارہ
روپیہ ہوگی۔ دیہاتی زندگی بہت مختصر اور شہری فروعات سے
بری ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کاشتکار کا ایمان اُس کے ساتھ ہے
اور وہ کسی قانونی جھگڑے بکھیڑے میں نہ پڑے تو اُسے ساہوکاروں
کا دروازہ جھانکنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ ایماندار کی زندگی میں
اُس کا پہلا دھرم یہ ہوگا کہ وہ اپنا کر یعنی لگان اپنے خرچ کرنے
سے پہلے ادا کرے۔ ایسا کرنے سے وہ بہت سی فضول خرچیوں اور
جھگڑے سے آزاد رہ کر اپنے کاشتکاری کے کرم میں صحیح عقل سے
کام لے سکے گا۔ کاشتکار کا مٹی سے ہی ساجھا رہ کر اُس کو سونا مل
سکتا ہے۔ کاغذی دنیا میں اس کے لیے جھگڑے ہی جھگڑے ہیں
ان جھگڑوں میں پریشان ہو کر اُس کا کاشتکاری کا کرم چھوٹ جانے
سے اُس کا دھرم صحیح نہیں رہتا۔ کسانوں کی پرانی کہاوت ہے۔

اوچھا جالے کسان جائے

یہ کہاوت کسانوں کے لیے بڑی صحیح اور سچی ہے۔ بہت سے کسانوں کا خیال ہے
کہ زمینداروں کی سختی کی وجہ سے وہ اُن کے خلاف ہو جاتے ہیں یعنی تنگ
آکر جنگ آمار کے مسئلہ کے بموجب مجبور ہو کر لڑنا پڑتا ہے۔ عام طور پر یہ بات
صحیح نہیں ہے۔ بعض صورتوں میں بلاوجہ کی غلط فہمیاں بھی آپس میں ہو جاتی
ہیں۔ ہر موقع پر سچ بولنا زیادہ سہل ہے بمقابلہ جھوٹ بولنے کے۔ اگر کوئی
بےخبر زمیندار کسانوں کی بات نہ سنتے ہوں تو کسانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی سچائی
پر قائم رہیں۔ یعنی اپنا کام کریں اور اپنے زمیندار کو بلاوجہ تنگ کرنے کی
کوشش نہ کریں۔ فضول خرچی اور مقدمہ بازی کسانوں کو بہت جلد مقروض کر دیتی
ہے اور اُن کو شرح سود فرضہ پر زمینداروں سے زیادہ دینا پڑتا ہے نتیجہ یہ
ہوتا ہے کہ ایک مقروض کسان تین برس کے بعد اس قابل نہیں رہتا کہ وہ گھر
پر صحیح چھپر بھی ڈال سکے۔ زمیندار اور کسان کا چولی دامن کا ساتھ ہے وہ ایک
دوسرے سے آپس میں استوار وابستہ ہیں کہ دونوں طبقوں کی زندگی اگر جدا
جدا کر دی جائے تو مثل اس گلاب کے پھول کے ہوگی جس کی پنکھڑیاں
ایک ایک کر کے اُس کو پھول کی حیثیت سے مٹا دیا جائے۔ کسانوں کی
زندگی کا تعلق سلطنت سے بتوسط زمینداران ہے۔ یعنی سلطنت کا براہ راست
تعلق زمینداروں سے ہے اور زمینداروں کا براہ راست تعلق ایک طرف

کاشتکاروں سے ہے اور ایک طرف سلطنت سے ہے یعنی نہ مینار درمیانی منزل ہے یہ وابستگی اسقدر نزاکت لیے ہوتے ہے جسکو وہم برہم کرنے سے کسانوں کی دنیا ویا ہی نہیں رہتی۔ سلطنت کا باوجودیکہ کاشتکاران سے براہ راست تعلق بادی النظر میں نہیں ہے پھر بھی موجودہ سلطنت میں جو جو آسانیاں اس تیسرے درجہ کی جماعت کو دی گئی ہیں اس کا صحیح احساس طبقۂ درمیانی ہی کو ہے۔ موجودہ گورنمنٹ نے کسانوں کو سرسبز بنانے کی ان تھک کوشش کی ہے اور کسی تجارتی نیت سے نہیں۔ اگر کوئی تجارتی نیت مشتمل ہوتی تو سلطنت اُن سے براہ راست تعلق پیدا کرتی۔ باوجودیکہ اتنی بڑی سلطنت کا خرچ نظام بہت بڑھ گیا ہے پھر بھی جو جو مراعات قانونی و انتظامی طبقۂ کاشتکاروں کے ساتھ موجودہ گورنمنٹ عالیہ نے دی ہیں اُن کی تفصیل اگر دی جائے تو ایک اچھی کتاب بن سکتی ہے۔ علاوہ عام سہولت آمد و رفت، تعلیم، زراعت، محافظت، امداد بذریعہ عدالت ہائے دو سال گذشتہ کے اندر گورنمنٹ نے کئی کروڑ روپیہ کا خسارہ صرف کسانوں کی بہبودی کی غرض سے اُٹھایا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا کی اقتصادی حالت، قدرتی واقعات، یورپ کی جنگ عظیم کے بعد ایسے ہوگئے جنھوں نے سلطنت کو درمیانی حصہ کو کسانوں کو تاجروں کو بجلی کی کشش کی طرح اپنی اپنی جگہ پر موثر کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کاروباری دنیا میں تجارت سرد ہوگئی

غلّہ کا نرخ ارزاں ہوگیا۔ غلہ کی پیداوار کا نرخ ۱۹۳۱ء میں وہ ہوگیا جو ۱۹۰۱ء و ۱۹۰۲ء میں تھا۔

۱۹۰۱ء لغایتہ ۱۹۰۵ء میں گندم فی من ۲ ر ۳۴ یعنی ۲½ کے قریب
۱۹۰۶ء لغایتہ ۱۹۱۰ء میں " " ۳ ر ۵۶ یعنی ۳½ کے قریب
۱۹۱۱ء لغایتہ ۱۹۱۵ء میں " " ۳ ر ۳۵ یعنی ۳½ کے قریب
۱۹۱۶ء لغایتہ ۱۹۲۰ء میں " " ۴ ر ۶۳ یعنی ۴½ کے قریب
۱۹۲۱ء لغایتہ ۱۹۲۵ء میں " " ۴ ر ۷۳ یعنی ۴¾ کے قریب
۱۹۲۶ء لغایتہ ۱۹۲۸ء میں " " ۴ ر ۹۰ یعنی ۴¾ کے قریب
۱۹۳۱ء میں " " ۲ ر ۳۰ یعنی ۲½ کے قریب

غلّہ کا نرخ رہ گیا جس سے قیمت ۱۹۰۱ء اور ۱۹۰۵ء کی برابر ہوگئی یعنی ۵۰ فیصدی قیمت اجناس گھٹ گئی بمقابلہ ۱۹۲۸ء کے۔ اس ارزانی کے وجوہ عام طور پر چار بتلائے جاتے ہیں

(الف) اثرات جنگ یورپ (ب) عام و بنیادی اقتصادی تنزل (ج) کثرت پیداوار غلّہ جو دیگر ممالک میں مشینوں اور جدید طریقہ کاشت سے ہوا ہے۔ (د) تجارت کی کساد بازاری۔

جب پیداوار زیادہ ہوتا ہے اور اس کی مانگ کم ہو جاتی ہے تو قیمت گھٹ جاتی ہے۔ کاشتکاروں کا لگان اُن کی پیداوار کی قیمت کے لحاظ سے

معینہ زمیندار رہے۔ موروثی کاشتکاروں پر لگان زمیندار بہت کم بڑھا
سکے بغیر موروثی کاشت پر زمینداروں کا لگان زیادہ [illegible] رہا۔ کیونکہ کاشتکاران
آپس میں زمین لینے کی غرض سے لگان بڑھاتے چڑھاتے رہے نتیجہ اس بڑھاؤ
چڑھاؤ کا یہ ہوا کہ زمینداروں کی نکاسیاں بڑھ گئیں۔ ف. ذنا گورنمنٹ کی مالگذاری
جو زمیندار کی نکاسی ہوتی ہے بڑھ گئی۔ مگر گورنمنٹ عالیہ نے اس اقتصادی
مشکل کا احساس کرکے کمیٹیاں قائم کیں جن کی رپورٹوں پر غور کرکے لگان
میں ۵۰ فیصدی تک کاشتکاروں کو چھوٹ ۱۳۳۹ف میں دی۔ بہت
سے کاشتکاروں کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ زمیندار کا لگان آدھا چھوٹ گیا ہے
مگر ان کا نہیں چھوٹا۔ ہم انہیں پھر یاد دلاتے ہیں کہ یہ چھوٹ اسی بیشی
لگان پر ہوئی ہے جو ارزانی غلہ کے بازاری بھاؤ کے تناسب سے ہونا
چاہیے تھی یعنی یہ کوشش کی گئی کہ جو لگان ۱۲ من کے بھاؤ کے زمانہ میں
ہونا چاہیے وہی لگان ۱۳۳۹ف میں اسی نرخ غلہ کے بموجب کر دیا گیا ہے
تشخیص لگان کو نرخ غلہ کے ساتھ کرنے میں ہمارے صوبہ کی گورنمنٹ کو ایسا کردہ
نو لاکھ روپیہ مالگذاری میں چھوڑنا پڑا۔ صوبہ بہار کے پچاس لاکھ کاشتکاروں کو
ہماری رائے میں کم از کم ۵ یا ۶ کروڑ لگان میں چھوٹا ہوگا۔ آج کل نرخ غلہ ۱۸
من ہے پھر بھی مراعات گورنمنٹ چھوٹ لگان میں قریب قریب آدھی ہیں
یعنی فرق اتنا ہوا کہ جس کاشتکار پر ۱۳۳۹ف میں ۵ روپیہ چھوٹ کے تھے اس کے

لیے ۱۳۴ سنہ ف میں لعو کی چھوٹ رہی اور اُس کو صرف ۱۵ / ۳۹ سنہ ف کے لگان سے مزید دینے پڑیں گے۔ ایسی رحمدل گورنمنٹ کے زمانہ میں بھی اگر کسان لوگ اپنے اوپر جائز لگان دینا جبر یا نہ سمجھیں تو ایسی ناسمجھی اور کم سمجھی کا کوئی علاج نہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

طبقہ درمیانی یعنی طبقہ زمیندار ان کو اُن کی طرز معاشرت بے توجہی کاروبار، فضول خرچی، بربادی کی طرف بڑے زور سے بہائے لیے جا رہی ہے۔ آئینی اصلاحات اس طبقہ کی مددگار اسی صورت میں ہو سکتی ہیں جبکہ طبقہ زمیندار ان اپنے میں اخلاقی، مالی، ترقی کریں۔ اسکے لیے زمینداروں کو زمیندار ایسوسی ایشن کا ممبر بنکر ایسوسی ایشن کے اصولوں پر اپنا سدھار کرنا چاہیے۔ کاشتکاروں سے میل جول اور ہمدردی کا برتاؤ کریں۔ فضول خرچی، قرضہ اور سود سے بچنے کی کوشش میں ہر امکانی کوشش کریں اپنے خرچہ کو زمانہ کی رفتار کے ساتھ جسقدر کم کر سکیں اتنا ہی اُن کے لیے بہتر ہوگا۔ طبقہ زمیندار ان اب بھی کاشتکاری سے جسقدر فائدہ اٹھا سکتے ہیں کسان اتنا فائدہ نہیں اٹھا سکتے اُن کے امکان میں جدید طریقہ کاشت پولٹری، ڈیری فارم، افزائش مویشی ہے جن سے معقول آمدنی پیدا کر سکتے ہیں

نظام حکومت میں یہ درمیانی طبقہ بڑی اہمیت ہمیشہ سے لیے ہوئے ہے اس طبقہ کو اپنی زندگی قائم رکھنے کے لیے نئے زمانہ کی بنا پر لیے نیا رکرنا چاہیے۔ کونسلوں میں اگر یہ طبقہ اپنا وجود ضروری ثابت نہ کر سکا تو اس کی وہ اہمیت جو مدت دراز سے چلی آتی ہے جاتی رہے گی طبقہ زمینداران کو اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھ کر اپنی جگہ قائم کرنی ہے۔ اگر یہ جگہ ان کے ہاتھ سے سیاسی میدان میں جاتی رہی تو پھر نہ پنپ سکیں گے۔ اس طبقہ کے ہر فرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے میں قابلیت کارکردگی پیدا کریں۔ اپنے پڑوسیوں اور کسانوں کی امداد سے کونسلوں میں جائیں۔ اور اپنی جگہ تعلیم یافتہ پڑھے لکھے خود رو لیڈروں کے ہاتھوں نہ چھن جانے دیں۔

صیغہ لوکل سلف گورنمنٹ

لارڈ ہارڈنگ کے بعد لارڈ چیمسفورڈ ہندوستان کے وائسرائے ہو کر آئے۔ اس زمانہ میں مسٹر مانٹیگو ہندوستان کے وزیر ہند انگلینڈ میں تھے۔ وہ ہندوستان کے بڑے خیر خواہ تھے جنگ عظیم میں ہندوستان نے جو امداد دی تھی اس پر خوش ہو کر پارلیمنٹ نے وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج کی صلاح سے یہ اعلان کیا کہ ہندوستان کو اس کے ملکی

انتظام میں آہستہ آہستہ زیادہ حصہ دینا چاہیے۔ اس کی جانچ کے لیے مسٹر مانٹیگو ہندوستان تشریف لائے۔ انکی سفارشوں کی بنیاد پر پارلیمنٹ نے ۱۹۱۹ء میں ایک قانون پاس کیا جسے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کہتے ہیں اس قانون کے مطابق بڑے بڑے عہدوں پر ہندوستانیوں کا اور بھی زیادہ تقرر ہونے لگا۔ سر ایس۔ پی۔ سنہا کچھ دنوں کے لیے مسٹر مانٹیگو کے نائب وزیر ہند مقرر ہوئے انکو لارڈ کا خطاب دیا گیا بہار و اڑیسہ کے وہ گورنر بھی مقرر ہوئے ان سے پہلے کبھی کوئی ہندوستانی گورنری کے اعلےٰ عہدہ پر مامور نہیں ہوا تھا پہلے جن صوبوں میں لفٹنٹ گورنر یا چیف کمشنر ہوتے تھے وہ گورنر مقرر ہوئے۔ ہر ایک گورنر کی مدد کے لیے ایک مجلس انتظامیہ بھی مقرر ہوئی۔ اس کے آدھے ممبر ہندوستانی ہونے لگے اسی طرح وائسرائے کی مجلس انتظامیہ میں بھی تین ہندوستانی اور تین انگریز ممبر ہونے لگے ہر ایک گورنر کے ماتحت ایک قانون بنانیوالی مجلس قائم کی گئی کسی کسی صوبہ میں مجلس پہلے سے قائم تھی لیکن اب ہر ایک گورنر کے صوبہ میں قائم ہو گئی۔ ان مجلسوں میں پہلے رعایا کے منتخب کئے ہوئے ممبروں کی تعداد سرکار کے مقررہ ممبروں سے کم ہوتی تھی مگر اب رعایا کے چنے ہوئے ممبر سرکاری ممبروں سے زیادہ ہونے لگے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ کسی بات کو گورنمنٹ کی خواہش کے خلاف بھی رعایا کے چنے ہوئے ممبر پاس کر سکتے ہیں۔ ہر ایک صوبہ میں سرکاری محکموں میں دو حصے کر دیئے گئے ایک حصہ کا انتظام گورنمنٹ کے ہاتھ میں رہا۔ اس حصہ میں محکمہ مالگزاری

پولس، جیل، ریل وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے محکمہ کا انتظام رعایا کے منتخب وزیروں کو دیدیا گیا جو رعایا کے منتخب کردہ ممبروں میں سے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اس حصّہ میں محکمۂ تعلیم، صنعت وحرفت، لوکل سلف گورنمنٹ اور اسپتال وغیرہ کا انتظام ہندوستانی وزیروں کے ہاتھ میں آ گیا۔ سارے ہندوستان کے لیے قانون بنانے کے لیے وائسرائے ہند کے ساتھ دو مجلسیں بنائی گئیں۔ ان میں سے ایک تو پہلے سے تھی۔ ان مجلسوں میں ہندوستانی ممبروں کی تعداد زیادہ رکھی گئی۔ ان اصلاحات کے مطابق جنوری سنہ ۱۹۲۱ء سے عملدرآمد شروع ہوا۔ صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ میں ۱۲۱ ممبران کونسل کے مقرر ہوئے جس میں سے ۲۱ گورنمنٹ کے نامزد کئے ہوئے اور بقیہ ۱۰۰ ممبران رعایا کے چنے ہوئے ہوتے تھے۔ اس سدھار کا نتیجہ ضلع کے انتظام میں یہ ہوا کہ محکمہ جات ڈسٹرکٹ بورڈ، چونگی، تعلیم، ٹاؤن ایریا قطعی طور سے ہندوستانیوں کے تحت انتظام میں کر دیے گئے۔ اس دس برس کے اندر لوکل بورڈ میں جو فرقہ وارانہ جھگڑے اچھائیاں اور برائیاں ہوتیں اُنکے یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ باوجودیکہ ہم اپنے مقامی بورڈ ول کے انتظام میں کامیاب نہیں ہوئے، نہ سڑکیں ہی درست کرا سکے نہ تعلیم کو ہی اعلے پیمانہ کی کر سکے پھر بھی ہر آدمی کی یہ خواہش ہوئی کہ انتظام سلطنت میں رعایا کا زیادہ ہاتھ ہو۔ حالانکہ ہندوستان کے باشندگان کو ہماری رائے میں اختیارات ووٹ اتنے ضروری نہیں ہیں جتنا کہ اُنکے لیے جبریہ تعلیم۔ اور نئے طریقہ کاشت گورنمنٹ سے اختیارات لینا اتنا اُنکے لیے ضروری نہیں ہیں جتنا کہ اپنے اپنے دیہات میں گرام

سدھار کا کام کرنا ہے۔ اچھوت ذاتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ اگر اس قسم کی اخلاقی
ترقی دیہات میں ہو جائے تو انکے لیے اختیارات حکومت خود بخود ایسے آجائیں گے جیسے
اچھی جڑ کے درخت میں پتے خود بخود نکل آتے ہیں۔ ہندوستانیوں کی اوسط قابلیت
پر ہی لوکل سلف گورنمنٹ کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے۔ جبتک اوسط قابلیت اوسط سے
گری رہیگی اور زیادہ تر تعداد باشندگان جہالت، توہم پرستی، اور افلاس میں پڑے
رہیں گے۔ اسوقت تک ہماری مجموعی اوسط قابلیت۔ اس قابل نہ ہوگی کہ برطانوی
مدبران کی بلا امداد کے ہم کوئی کام کرسکیں۔ اس بات کی جانچ کے لیے کہ ہندوستانی
رعایا میں نظام حکومت میں حصہ لینے کی کس قدر قابلیت آگئی ہے ایک پارلیمنٹری
کمیشن زیر صدارت سر جان سائمن ہندوستان میں بغرض تحقیقات تین سال
ہوئے آیا۔ اس کمیشن نے ہر حصہ ملک میں ہندوستانی جذبات، خیالات اور قابلیت
کارکردگی وغیرہ وغیرہ کی جانچ کرکے رپورٹ پارلیمنٹ میں پیش کی۔ [illegible]
بعد لارڈ ارون وائسرائے کے زمانہ میں انگلستان میں ایک گول میز کانفرنس منعقد
ہوئی جس میں ہندوستان کے بڑے بڑے قابل نمایندے شریک ہوئے
اس گول میز کانفرنس کے بعد دوسری گول میز کانفرنس ۱۹۳۱ء میں پھر انگلستان
میں ہوئی جس میں باقاعدہ لیڈران ملک بھی شریک ہوئے۔ [illegible] گول میز
کانفرنس وقتاً فوقتاً اخبارات میں نکلتی رہی۔ بہرحال یہ کانفرنس چھوت [illegible]
قوموں اور ہندو مسلمانوں کے جھگڑے طے نہ کرسکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک معظم شہنشاہ

کی گورنمنٹ کو ہی ہندو مسلمانوں اور چھوٹی قوموں کے تناسب کا ثالث بننا پڑا۔ اس تجویز کا بڑا انتظار تھا۔ وزیر اعظم ہند نے ۱۷ اگست ۱۹۳۲ء کو یہ تجویز دیا ری۔ خلاصہ تجویز یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت چار صوبوں کی کونسلوں میں قائم رکھی گئی۔ یعنی بنگال، پنجاب، صوبہ سرحدی اور سندھ میں مسلمان ممبران کی جگہیں زیادہ رہیں بقیہ صوبوں میں غیر مسلم اکثریت رہی۔ اور یہ تعداد باعتبار آبادی قائم کی گئی اچھوت جاتوں کو دو ووٹ دینے کا اختیار دیا گیا یعنی اچھوت جاتی کے ووٹران اپنے طبقے میں سے بھی نمائندے منتخب کریں گے۔ اور عام انتخاب میں بھی امیدواروں کو ووٹ دیں گے۔ اس طور پر کچھ عرصہ کے بعد اچھوت جاتی کے لوگوں کی اہمیت ان سے برتر فرقوں کو تسلیم ہو جائے گی اور رفتہ رفتہ صوبجاتی انتظام میں بھی ان کی بھی آواز ہو جائے گی۔ اس تجویز کے مطابق ہمارے صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ میں بجائے ۱۲۱ ممبران کونسل کے اب نئی کونسل میں ۲۲۸ ممبران ہونگے جن کے مقررہ تناسب حسب ذیل ہوں گے۔

غیر مسلم	۱۳۲ (معہ چار عورتوں کے)	یوروپین	۲
اچھوت	۱۲	کامرس (تجارت)	۳
مسلم	۶۶ (معہ دو عورتوں کے)	زمیندار	۶
ہندوستانی عیسائی	۲	یونیورسٹی	۱
اینگلو انڈین	۱	مزدور	۳
		کل ممبران	۲۲۸

اس تجویز کا اثر صوبجاتی کونسلوں پر یہ ہوا کہ سرکاری چُنے ہوئے ممبران اب قانون ساز مجلسوں میں نہیں رہے، تعداد ۱۲۱ کے بجائے ۲۲۸ ہوگی اس سے ظاہر ہے کہ ملک کی آیندہ حکومت رعایا کی رائے پر مبنی ہوگی۔ اور جو رائے اکثریت کی ہوگی اُس کی پابندی وقتی گورنمنٹ کے لیے لازم ہوگی۔ بالفاظ دیگر حکومت میں زیادہ اختیار اور ذمہ داری رائے دہندگان کی ہوگی۔ ضرورت اب اس بات کی ہے کہ رائے دہندگان میں ملکی معاملات کے متعلق رائے قائم کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ اب تک جو رائے دہندگان ہوتے تھے وہ ۲۵ روپیہ کی مالگذار یا ۵۰ روپیہ کے کاشتکار ہوتے تھے۔ یقین ہے کہ اب رائے دہندگان اس سے کم حیثیت اور قابلیت کے بھی ہوا کریں گے یعنی رائے دہندگان کی تعداد میں بڑا اضافہ ہو جائیگا۔ اسکی جانچ کے لیے لارڈ لوتھین کا کمیشن ابھی ہندوستان میں آیا تھا۔ اور فرنچائز کمیٹی اس پر غور کر رہی ہے کہ رائے دہندگان کی تعداد میں کسقدر اضافہ ہو اور کس قابلیت کے لوگ رائے دہندہ کئے جائیں ہندوستان کی آئینی اصلاح رائے دہندگان کی تعداد پر نہیں ہو سکتی۔ رائے دہندگان کی قابلیت پر ہو سکتی ہے کیونکہ رائے دہندگان کے کندھوں پر آیندہ حکمرانی کا بار ہوگا جبتک رائے دہندگان میں حکمرانی کی قابلیت نہ ہوگی وہ اس بار کو کامیابی سے نہ اُٹھا سکیں گے۔ لوکل سلف گورنمنٹ کی آئینی اصلاحوں کا استعمال تجارتی ممالک میں زیادہ مشکل نہیں ہے کیونکہ وہاں کی تعلیم و تربیت اور معلومات عامہ بہت بڑھی چڑھی ہوئی ہے برعکس اس کے

ہمارا ملک ہندوستان بہت وسیع اور اختلافات سے بھرا ہوا ہے ۱۵۰۰ میل چوڑا ہے اور ۱۹۰۰ میل لمبا ہے۔ اس کا رقبہ اٹھارہ لاکھ مربع میل ہے۔ اس میں سات لاکھ پچاس ہزار گاؤں بستے ہیں۔ ۷۰۰ کے قریب دیسی ریاستیں ہیں اگر روس کو شمار نہ کریں یورپ کی برابر ہے۔ نوے فیصدی اس ملک میں ان پڑھ ہیں۔ مسلمانوں میں بھی بہت سے فرقے ہیں۔ مگر ہندوؤں میں ذات در ذات ۱۸۰۰ ہیں۔ مذہبوں اور ملتوں کی کوئی انتہا نہیں۔ دہریہ سے لیکر درخت اور سانپ تک کی پرستش کرنیوالے ہیں۔ پانچ کروڑ اچھوت جاتی کے لوگ بستے ہیں۔ زبانوں کی یہ صورت ہے کہ چھ زبانیں تو ایسی ہیں جو اپنا لٹریچر رکھتی ہیں ان کے علاوہ ۲۲۰ بولیاں اس ملک میں موجود ہیں ان میں سے بعض ایسی ہیں مثلاً تامل، کناری، تلیگو جو شمالی ہند کے باشندے قطعی نہیں سمجھتے۔

ایسے ملک میں جہاں لسانی، مذہبی، قومی اختلافات کی یہ کثرت ہو وہاں صحیح انتخاب جو فرقہ وارانہ تعصب سے پاک ہو ہونا بہت ہی مشکل ہے جبتک کہ ہر باشندے کے دماغ میں جو رائے دہندگی کی قابلیت رکھتا ہے آزادانہ اور صحیح ووٹ دینے کا خیال اور ملکی ذمہ داری کا احساس کافی طور پر پیدا نہ ہو جائے۔

وزیر اعظم اس بات کا اعلان کر چکے ہیں کہ حتی الوسع جلد ممکن ہو صوبجاتی نظام حکومت ہند کو بالا قائم کیا جاوے اس قسم کے نظام حکومت میں جو جملہ صوبجات اور ریاستوں کے نمائندوں سے مرکب ہوگا اور جس کے پارلیمنٹ میں برطانوی

ہند کے نمائندوں کے علاوہ ریاستوں کے نمائندے بھی موجود ہوں گے، اس حکومت کو فیڈرل یعنی "وفاقی" طرز حکومت کہتے ہیں۔ فیڈرل نظام حکومت میں زیادہ تر امور صوبوں کی گورنمنٹوں کے اختیار میں ہوں گے۔ اور جو امور تمام ملک کے انتظام سے تعلق رکھیں گے وہ سنٹرل وفاقی گورنمنٹ کے سپرد رہیں گے برطانوی صوبوں کے ساتھ ریاستیں بھی فیڈرل نظام حکومت میں شریک رہیں گی۔ گورنر جنرل کے اختیار میں فوج، مالیات اور محکمہ خارجہ ہوں گے۔ اور گورنروں کو یہ اختیار رہے گا کہ اگر صوبہ کے انتظام میں خلل پڑتے دیکھیں تو دخل انداز ہوں۔ اور اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کریں گورنر جنرل اور صوبہ کے گورنروں کے اختیارات بھی صرف اُسی وقت تک باقی رہیں گے جب تک کہ ان اختیارات کی ضرورت ہے۔

اس نظام حکومت کو قائم رکھنے کے لیے ایک مضبوط آئینی پارٹی کی ضرورت ہے جو ملک کا آئینہ دستور اساسی پورے طور پر صحیح راستہ پر چلا سکے اس کام کے لیے اخلاقی سدھار کی بھی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

مقاصد ریفارم لیگ

صوبہ بہار میں ریفارم لیگیں ۱۹۱۹ء سے قائم ہیں۔ کہیں اس کو امن سبھا۔ شانتی سبھا یا کہیں نام سدھار سبھا کہتے ہیں۔ ریفارم لیگیں کانگریس کے [illegible] کے لیے قائم کی گئی تھیں [illegible] ان لیگوں نے [illegible]

کام ہر جگہ کیے ہیں۔ جیوں جیوں ان لیگوں کے نتائج کو عرصہ گذرتا گیا اُسی قدر اُن کا وجود زیادہ مفید ثابت ہوا۔ ان لیگوں کے سامنے اولاً خاص تعمیری مقاصد نہیں تھے۔ یہ محض ایک جوابی لیگیں تھیں۔ ان لوگوں میں صوبہ ہذا کے بڑے بڑے زمیندار ان اور کاشتکاران سب ہی شامل ہیں جو ملک میں بدامنی اور فتنہ و فساد دیکھنا پسند نہیں کرتے ہیں۔ ضلع ہزارہ میں پیغام لیگ نے بہت اچھا کام کیا۔ اب تعمیری کام بھی ان لیگوں کو کرنا چاہئیں۔

ہمارے سامنے جدید طریقہ کاشت، ترقی دیہات، صفائی، حفظان صحت، نسل کشی و افزائش مویشی، باہمی اتحاد و اعتماد، فرائض انسانی، تحفظ حقوق کے مسئلے موجود ہیں۔ ہر ممبر لیگ کو چاہیئے کہ وہ اپنے میں اور ہمسائگان میں مذکرہ بالا خوبیاں پیدا کرے کیونکہ طرز حکومت میں عمدہ سٹیزن (شہری) بنیں اس کے لیے محض لیکچر دینا اور لیکچر سننا کارآمد نہ ہوگا۔ بلکہ سچی ہمدردی سے لوگوں کو احساس کرایا جاوے کہ بغیر پاکیزگی کے پاکیزگی خیالات اور بغیر محنت کے دولتمندی اور بغیر اہلیت کے اختیارات کا عمل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوشش کی جائے تو غلط ہوگی۔ ابتدائی تعلیم ہر شعبہ کے متعلق دیہات میں دیجائے اختیارات انتخاب کنندگان بہت وسیع ہو رہے ہیں جن میں سے زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جن میں ملکی معاملات کا تجربہ نہیں ہے اختیارات کبھی کبھار سے نہیں ہوتے۔ مگر ان کا صحیح استعمال ہمیشہ مشکل ہوتا ہے۔ قوم کا

تجربہ ہی اس کی صحیح سمجھ ہو سکتی ہے۔

درمیانی طبقہ کے لوگ اس میں بہت بڑا کام کر سکتے ہیں اور ان کو کرنا بھی چاہیئے۔ نیا طرز حکومت جلد شروع ہونیوالا ہے۔ اور جناب نواب وزیر اعظم برطانیہ نے جو فیصلہ ثالثی حال میں دیا ہے۔ اس پر عملدرآمد شروع ہو جائیگا لہذا اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اور فضول مظاہروں سے بچنا چاہیئے۔ کاشتکاروں اور زمینداروں کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپس میں میل جول رکھ کر وہ نئی کونسلوں کے لیے قابل اور اچھے نمایندوں کا انتخاب کریں۔ کاشتکاروں کے سچے معاون اور مددگار زمیندار ہی ہو سکتے ہیں اور زمینداروں کی امداد ہمیشہ سے کاشتکاروں نے کی ہے اور کریں گے۔

زمینداروں و کاشتکاروں کو بار بار یہ غور کرنا چاہیئے کہ ہم میں کس قدر کام کرنے کی قابلیت ہے۔ ہمارے گرد وپیش کے واقعات کیا ہیں اور کس حد تک ان کو صحیح و درست کر سکتے ہیں۔ اگر ان باتوں کا جواب ہمیں (ان میں ملتا رہے) اور دوسرے لوگ ہماری رائے سے متفق ہوں تو ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم کچھ دنیا میں ترقی کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ شورش پسند لوگوں کے بڑے بڑے مظاہرے۔ نکتہ چینیاں نہ ہمیں ترقی کے قریب لے جا سکتی ہیں اور نہ لیجا سکینگی اس کے جواب میں اگر کہا جاوے کہ موجودہ گورنمنٹ کے خلاف جو بات بھی کہی جائے گی وہ سچی ہوگی ہم اس کے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں سچی بات

ہر جگہ سچی ہوتی ہے۔ راۓ عامہ درحقیقت زمیندار اور کسان کی آواز متفقہ کا نام ہے۔

طبقہ درمیانی کا بڑا فرض ہے کہ وہ اپنے وجود کو اس موقع پر نہایت اہم اور کارآمد ثابت کرے۔

اس موقع پر زمینداروں اور کاشتکاروں کے لیے چند باتیں کاروباری اور بھی ضروری ہیں۔ اگر حسب ذیل باتوں پر طرفین کا عمل ہو تو آپس کی بدگمانی اور بدمزگی ہونے کا اندیشہ جاتا رہے گا۔

۱۔ ہر کاشتکار کو چاہیئے کہ وہ اپنے زمیندار سے اراضی پٹہ پر لیا کرے اور زمیندار کو قبولیت لکھدیا کرے۔

اگر ہر وقت کاشتکاران بھی اپنا اپنا پٹہ اور قبولیت تحریر کرالیں تو ہر کاشتکار و زمیندار کو اپنے اپنے حقوق کا صحیح اندازہ ہوجاوے اور کاغذات پٹواری کے دیکھنے کی زحمت سے بچے رہیں۔ اس کے لیے ہر زمیندار کو اپنے یہاں پٹہ اور قبولیت کے چھپے ہوئے فارم کتابی صورت میں رکھنا چاہیئں۔ اور اس کی موضع وار جلد بڑے زمینداروں کو رکھنا چاہیئے۔

۲۔ ہر کاشتکار کو لگان دینے کے بعد رسید حاصل کرلینا چاہیئے۔ اور ہر زمیندار کو چاہیئے کہ جب کاشتکار کوئی رقم ادا کرے تو اس کی

رسید جاری کر دیا کریں۔

۳۔ ہر خوانادہ زمیندار کو فارم ہائے منسلکہ نمبر ۱ و ۲ و ۳ و ۴ کی صورت میں حساب مرتب رکھنا چاہیئے۔

۴۔ ہر تحقیل کے ریفارم لیگ کے مرکزی پریزیڈنٹ صاحبان کو چاہیئے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ کے گشت میں حتی الامکان کاشتکاروں اور زمینداروں کے درمیان جو غلط فہمیاں دیکھیں اُن کو دور کر دیا کریں۔

جس کام کی ابتدا اچھی ہو گی اُس کا انجام بھی بخیر ہو گا۔ ایمانداری اور پابندیٔ اُصول و بہا کے دو بڑے ستون ہیں۔ جو اپنی مدد آپ کرتا ہے خدا اُس کی مدد کرتا ہے۔

فارم نمبر (۱)

بہی کھاتہ یعنی رجسٹر کاشتکاران

نمبر شمار	نام موضع	نام محال	نام کاشتکار معہ پورا پتہ و نوعیت کاشت	نمبر خسرہ	رقبہ	لگان سالانہ	لگان واجب	تفصیل وصول						میزان کل	کیفیت
								سنہ فصلی		سنہ فصلی		سنہ فصلی			
								تاریخ وصول	تعداد	تاریخ وصول	تعداد	تاریخ وصول	تعداد		
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶

فارم نمبر (۲)

رجسٹر سیاہہ

نمبر شمار	نام مدرسہ	تفصیل وصول					کیفیت
		فصل	فصل	فصل	فصل [illegible]	میزان کل	

مطبوعہ شانتی پریس بدایوں یوپی
۱۹۳۲ء